پاکستان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا خواتین کا مقبول ترین ہفت روزہ

# خواتین کا اسلام

1078
بدھ 27 جمادی الثانی 1445ھ مطابق 10 جنوری 2023ء

## اور مجرم پکڑا گیا!

## دیگ کا ایک دانہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

## القرآن

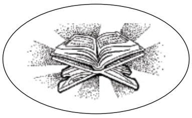

### اللہ انتقام کی قدرت رکھتا ہے!

کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟ اور یہ آپ کو اللہ کے ماسوا سے ڈراتے ہیں، اور جسے اللہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جسے اللہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، کیا اللہ غالب اور انتقام کی قدرت رکھنے والا نہیں ہے؟ (بالکل ہے!)

(سورۃ الزمر: آیت ۳۶، ۳۷)

## الحدیث

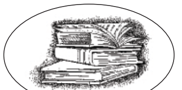

### صرف اللہ کے لیے انتقام

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی کو نہیں مارا۔ نہ کسی بیوی کو اور نہ ہی کسی خادم کو، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے کسی پر ہاتھ اٹھایا ہو تو اٹھایا ہو، اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام لیا ہو البتہ اگر اللہ تعالیٰ کی حرمتوں میں سے کسی کی پامالی ہوتی تھی تو آپ اللہ کے لیے اس کا انتقام لیتے تھے۔“

(مسلم)

مولانا مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی

### درود شریف کی فضیلت میں ایک موضوع روایت:

سوال: ایک معروف دینی رسالے میں ”شہد میں اتنی مٹھاس کیوں“ کے عنوان سے مضمون شائع ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک موقع پر صحابہ کا لشکر لے کر جہاد کے لیے جا رہے تھے، راستے میں ایک جگہ کھانا کھانے بیٹھے تو صرف روٹی میسر تھی، نان خورش (سالن) نہ تھا۔ اتنے میں شہد کی ایک مکھی آکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب بھنبھنانے لگی۔ صحابہ کے استفسار پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یہ کہہ رہی ہے کہ ہم مکھیوں نے آپ حضرات کے لیے قریب کے غار میں لذیذ شہد کا چھتا لگایا ہوا ہے!“ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا وہ مکھی کے پیچھے پیچھے گئے۔ شہد نچوڑا اور پیالہ بھر کر لے آئے۔ سب صحابہ نے استعمال کیا۔ مکھی دوبارہ آکر بھنبھنانے لگی۔ صحابہ کے استفسار پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ”میں نے اس سے پوچھا تمھاری خوراک کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ پھولوں کا رس، میں نے کہا پھول تو کڑوے بھی ہوتے ہیں، پھیکے بلکہ بدمزہ بھی، تمھارے منہ میں جاکر نہایت شیریں اور صاف شہد کیسے بن جاتا ہے؟ اس نے جواب دیا ہمارا ایک امیر و سردار ہے، رس چوسنے کے بعد جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنا شروع کرتا ہے تو ہم بھی اس کے ساتھ مل کر درود پڑھتی ہیں جس کی برکت سے پھولوں کا کڑوا رس بھی میٹھا ہو جاتا ہے۔“

آخر میں مقاصد الصالحین کا حوالہ درج ہے۔ اس روایت کی حقیقت واضح کیجیے اور مقاصد الصالحین کس کی تصنیف ہے؟

جواب: یہ اول تا آخر من گھڑت کہانی ہے۔ پورے ذخیرۂ حدیث میں اس کا کہیں کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ مقاصد السالکین مولانا ضیاء اللہ نقشبندی مرحوم کی تصنیف اور ایک تصوف کی کتاب ہے۔ کتب تصوف میں عموماً اس قسم کی ضعیف و موضوع روایات درج ہوتی ہیں جنھیں صوفیہ کرام حسن ظن کی بنیاد پر سچ سمجھ کر کتابوں میں درج کردیتے ہیں۔ مندرجہ بالا حکایت بھی بلا سند و حوالہ ان الفاظ سے نقل کی گئی ہے: ”کہتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کو تشریف لے جا رہے تھے۔“

مزید تحقیق و جستجو سے معلوم ہوا کہ کتب اہل سنت میں تو اس روایت کا کہیں ذکر نہیں، البتہ کتب روافض میں ملتی ہے۔ چنانچہ علی اکبر نہاوندی نے خزینۃ الجواہر ص ۵۸۶ پر بلا سند نقل کی ہے۔ اس کتاب پر کسی محقق کا تبصرہ نظر سے گزرا: ”یہ کتاب لغو و بے ہودہ باتوں اور بے سروپا قصوں سے پر ہے، لگتا ہے یہ قصہ عام رافضیوں کا گھڑا ہوا ہے۔“

مختصر یہ کہ یہ قصہ موضوع و من گھڑت ہے۔ اسے حدیث سمجھنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کرنا حرام ہے۔ دینی رسائل کے مدیران گرامی کو چاہیے کہ چھپنے والی تحریروں کو دیکھ لیا کریں کہ ان کا درجہ استناد کیا ہے؟

### مطلقہ خاتون دوران عدت فوت ہوگئی تو خاوند وارث ہوگا یا نہیں؟

سوال: ایک شخص نے بیوی کو تین طلاق دے دی۔ دورانِ عدت مطلقہ خاتون فوت ہوگئی۔ خاوند اس کا وارث ہوگا یا نہیں؟ مرحومہ کو طلاق اس کی مرضی سے دی تھی۔

جواب: طلاق بائن یا طلاق ثلاثہ کی عدت کے دوران بیوی فوت ہوجائے تو خاوند وارث نہیں بنتا اور خاوند فوت ہوجائے تو بیوی وارث نہیں بنتی۔ طلاق خواہ رضا سے ہو یا بلا رضا، بہر صورت دونوں میراث سے محروم رہیں گے۔

### نکاح خواں نے دلھن کے بجائے اس کی بہن کا نام لیا:

سوال: زید کی دو بیٹیاں ہیں: لبنیٰ، لبیبہ! لبنیٰ کا نکاح تھا۔ مجلسِ نکاح میں نکاح خواں نے غلطی سے لبیبہ کا نام لے کر دولھا سے کہا، میں نے مسماۃ لبیبہ دختر زید پانچ ہزار روپے مہر معجّل کے عوض آپ کے نکاح میں دی۔ دولھا نے کہا میں نے قبول کی لیکن غلطی کا احساس ہوتے ہی نکاح خواں نے دوبارہ ایجاب و قبول کراتے ہوئے لبنیٰ سے اس کا نکاح کردیا۔ کیا یہ نکاح ہوگیا؟

جواب: نکاح نہیں ہوا، اس لیے کہ پہلے جب لبیبہ کا نام لے کر نکاح پڑھایا تو لبیبہ کا ہی نکاح ہوگیا۔ دولھا پر ضروری تھا کہ اسے طلاق دے دیتا، پھر اس کی بہن سے نکاح کرتا، لیکن ایسا نہیں کیا گیا، پس لبیبہ کا نکاح بدستور قائم اور لبنیٰ کا نکاح باطل ہے۔ اب اسے چاہیے کہ لبیبہ کو طلاق دے اور نصف مہر بھی ادا کرے، پھر دوسری بہن سے نکاح کرلے، البتہ اس طلاق کی عدت نہیں ہے، چاہے تو طلاق کے فوری بعد اسی مجلس میں دوسری بہن سے نکاح کرلے۔ یہ تفصیل اس صورت میں تھی کہ نکاح خواں نے لڑکی کی طرف اشارہ کیے بغیر صرف نام لیا ہو۔ اگر لڑکی مجلس میں موجود ہے اور نام لیتے وقت نکاح خوان نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہو تو نکاح درست ہے گو کہ اس کا نام لینے میں بلکہ ولدیت میں بھی غلطی کر جائے، بہر صورت اُس لڑکی کا نکاح ہوگا جس کی طرف اشارہ کیا۔

آئینہ گفتار

# دیگ کا ایک دانہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

ایک بار ایک محفل میں ایک دوست نے کہا کہ انسان خود کو کتنا ہی پڑھا لکھا یا شائستہ ظاہر کرے، بعض اوقات اُس کا ایک جملہ یا لفظ ساری اخلاقیات، تمیز اور ذہنیت کے ڈھول کا پول کھول دیتا ہے۔

اکثر دوستوں نے دوست کی اس بات کی تائید کی، لیکن ہمارے خیال میں تو بھئی یہ بڑی ناانصافی کی بات ہے کہ ایک آدھ جملے سے یا کسی ایک موقع سے کسی انسان کی بابت فیصلہ سنا دیا جائے بلکہ مجموعی شخصیت ہی کو دیکھنا قرینِ انصاف ہے۔

وہ جو دیگ کے ایک دانے سے پوری دیگ کا اندازہ کرنے کی مثال بہت عام دی جاتی ہے ناں، اِس مثال کو ایک جیتے جاگتے انسان پر منطبق کرنے کے ہم تو بھئی سخت مخالف ہیں۔

دیگ میں پکی بریانی کا ہر دانہ ایک ہی مخصوص ماحول میں ایک ہی جیسے مصالحوں کے ساتھ ایک ہی حرارت میں پکتا ہے، پھر بھی کبھی کبھی اوپر کا دانہ کچا، نیچے کا دانہ پکا ہوا ہوسکتا ہے۔ جذبات میں گندھا مگر ایک جیتا جاگتا انسان، جس پر مستقل مختلف حالات آتے رہتے ہیں، وہ ہر وقت اُن سے نبرد آزما ہے، سو اسے تو ہرگز اتنی سادگی کے ساتھ جج نہیں کیا جاسکتا۔

یاد رکھیے، ہم میں سے کوئی بھی فرشتہ یا نبی معصوم نہیں۔

ہم سب عام انسان ہیں، بار بار خطا کرنے والے بشر کہ جو فرشتوں کی طرح سراسر سفید ہوتے ہیں نہ شیطان کی طرح سیاہ۔ ہمارا شعوری وجود ستر اسی فیصد ''گرے'' ہوتا ہے سیاہ یا سفید نہیں۔ سو عقل کہتی ہے کہ فیصلہ شخصیت کے اکثر اوصاف کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔

دراصل ٹھیس ہمیں تب لگتی ہے جب ہم اپنے اپنے قائم کردہ معیارات، رجحانات، تعصّبات اور اپنے محدود علم، عقل، فہم اور نقطہ نظر کے مطابق خود ہی سے کسی شخصیت کا ایسا پیکر اپنے ذہن میں تراش لیتے ہیں جس کا اُس بے چارے/ بے چاری نے کبھی دعویٰ کیا ہی نہیں ہوتا، سو بس پھر اس کی کہی ایک غلط بات، غصے میں کی گئی ایک خطا یا بھول اپنے دماغ میں بنائے اُس کے خود ساختہ بت کو چکنا چور کر دیتی ہے اور ہم فوراً ناانصافی پر مبنی ردعمل دے دیتے ہیں۔

یہ کسی بھی ''انسان'' کے ساتھ ایک بڑی ناانصافی ہے۔

یاد رکھیے: لمحہ کمزور بمعنی گناہ نبی کے سوا کسی بھی انسان پر آسکتا ہے، جبکہ بمعنی خطا تو انبیا کرام پر بھی آتا ہے۔

پچھلے دنوں خواتین کا اسلام میں شاید کسی خط کے جواب میں بھی ہم نے مثال دی تھی کہ جمیع محدثین راوی پر حکم لگانے سے پہلے ہمیشہ اس کی مجموعی زندگی کا جائزہ لیتے تھے۔ اگر وہ مجموعی اعتبار سے صحیح نظریات کا حامل ہو تو حکم میں بھی اس کی رعایت کی جاتی تھی۔ سو کسی کو بھی جانچنے اور اس پر حکم لگانے سے قبل اسے ایک پورے بشری پیکج کے طور پر دیکھنے کی عادت بنایئے۔

ہاں البتہ ایک شخص سے اکثر منفی لہریں آتی ہوں۔ اس کا تکبر، گھمنڈ، جعل سازی، دھوکا دہی ثابت ہوچکی اور معروف ہے تو اُس کی کوئی ایک آدھ اچھی بات کو بھی سراہا تو جائے گا لیکن مجموعی طور پر اس شخصیت سے احتیاط کی جائے گی، اُس کے گن نہیں گائے جائیں گے تاکہ آپ کے سراہنے سے کوئی سادہ دل شخص اس کے چنگل میں نہ پھنس جائے۔

لیکن ایک ایسی شخصیت جس کے قول وفعل سے اکثر مثبت فیلنگ آتی ہوں، جس کی باتوں اور عمل پر خیر غالب ہو تو اس کی ایک آدھ خطا پر یہ کہنا کہ:

ہائے بڑا دھچکا لگا!

دیکھا یہ تھا اُس کا اصل چہرہ!

اس کے ڈھول کا پول کھل گیا وغیرہ

یہ ججمنٹ سچ مچ بڑی ناانصافی کی بات ہے۔

شکر ہے کہ روزِ حشر سامنا اللہ رب العزت سے ہوگا، جن پر جذبات غالب نہیں ہوتے۔ وہ اپنے بندے کا حساب لیتے ہوئے اخلاصِ نیت کو دیکھیں گے، اپنے بندے کی مجموعی حیثیت اُن کے سامنے ہوگی، اعمال کا ظاہر نہیں بلکہ اعمال کا وزن معیار ہوگا اور پھر رحم وکرم کی برسات ہوگی، وگرنہ حساب اگر کسی مخلوق کے ذمے ہوتا، چاہے وہ فرشتہ یا نبی ہی ہوتا تو ہم سب تو بھئی بڑے برے پھنستے۔

خصوصاً بہنوں میں ذرا سی بات پر جذبات میں آجانا اور فوراً کسی کے لیے زبان کھول دینا بہت عام ہے۔ اس لیے ان سطور کے ذریعے ان سے درخواست ہے کہ خوش گمانی کو اپنا وتیرہ بنا لیجیے اور بدگمانی سے حتی الامکان بچتے رہا کیجیے۔ کیونکہ خوش گمانی اگر غلط بھی ہو تب بھی اس پر اجر ملتا ہے اور بدگمانی بعد میں سچ بھی ثابت ہوجائے تب بھی وہ باعث پکڑ ہے۔

ستار العیوب دونوں جہاں میں ہمارے ساتھ ستاری کا معاملہ فرمائے، آمین!

والسلام

مدیر مسئول

محمد فیصل شہزاد

مدیر اعلیٰ: مفتی فیصل احمد
مدیر: انجینئر مولانا محمد افضل احمد خان
مدیر مسئول: محمد فیصل شہزاد

''خواتین کا اسلام'' دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983 ای میل: fayshah7@yahoo.com

انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 1500 روپے، بیرون ملک ایک میگزین 22000 روپے، دو میگزین 25000 روپے

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر خواتین کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

# اپنے ہاتھوں کی کمائی

بنت نجم الدین۔ڈیرہ اسماعیل خان

''السلام علیکم کیسے ہیں دولھا بھائی......!''

''جی بالکل ٹھیک تیمور بھائی! آپ سنائیں کہاں ہیں؟''

تیمور نے بے ساختہ موبائل کی اسکرین کو دیکھا کہ نمبر تو عقیل کا ہی ہے ناں! جب تسلی ہوئی تو دوبارہ کان سے لگایا:''بھائی! مجھے عقیل سے بات کرنی ہے۔''

''جی جی میں عقیل ہی بات کر رہا ہوں۔''

اب وہ حیرت میں مبتلا ہوا۔

''ارے عقیل! اتنا مہذب لہجہ؟ واہ یار بھابی نے تو دو ہی دن میں اچھی خاصی اردو اور تہذیب سکھا دی۔''

''وہ تیمور بھائی! میں ذرا سسرال آیا ہوا ہوں ناں آج تیسرا دن ہے۔''

''اچھا اچھا سمجھ گیا دولھے بھائی!''

''آواز نہیں آرہی تیمور بھائی! میں ذرا باہر نکلتا ہوں۔''

''یار! تو تو بالکل کملا ہے تجھے میری آواز ہی کی پہچان ختم ہوگئی، حد ہوگئی۔''

عقیل نے باہر آکر تیمور کو اپنے پرانے انداز میں جھاڑ پلائی۔

''مجھے کیا پتا تھا، لیکن یہ تُو سے آپ کا معاملہ کیا ہے یار!''

''میری شادی ہوگئی ہے تو اب اکثر یہ دورنگی چلے گی اور سنا تُو میری شادی پر کیوں نہیں آیا؟''

''بس عقیل! چھٹی نہیں ملی، اب میں آیا ہوں تو تُو نہیں ملا میرا تو دل ہی نہیں لگ رہا، صدیق بھی گاؤں گیا ہوا ہے، بس واپسی کرلے اب۔''

تیمور اداسی سے بولا پھر چہکا:''اور سنا سسرال میں عزت کیسی ہو رہی ہے؟''

وہ شروع ہوگیا:''سن تیمور! مزے آگئے ہیں تیرے دوست کے تو، ابھی ابھی کیا خوب مزیدار قورمہ پلاؤ، کھیر کھایا ہے کہ بس مزہ ہی آگیا۔''

''ہاہاہا تُو ندیدہ ہے ویسے بھی سدا کا۔'' تیمور نے چھیڑا۔

''چل چپ کر، بڑوں کے درمیان میں نہیں بولتے، دراصل میں پہلا داماد ہوں چار گھروں کا، چھوٹے چچا سسر کی تو اولاد ہی نہیں، انھوں نے تو آج منع کرنے کے باوجود اپنا دیسی مرغا میرے لیے ذبح کیا ہے۔ شام کو ثوبت بن رہی ہے۔ مجھے تو اپنا وزن بڑھتا ہوا محسوس ہو رہا ہے یار۔''

''تو یار ہاتھ کھینچ کر کھاناں۔'' تیمور نے کہا۔

''جب دسترخوان سے ایک سے ایک لذیذ کھانوں کی شاندار مہک اٹھ رہی ہو تو کہاں ہاتھ رکتا ہے، اوپر سے کھانے کا مستقل اصرار۔''

''بھائی! چائے پییں گے؟ امی پوچھ رہی ہیں۔''

''نہیں امی سے کہیے، ابھی تو کھانا کھایا ہے۔''

وہ پھر ادب سے بولا۔

''اب کون آگیا؟'' تیمور ہنس کر بولا۔

''بیگم کا چھوٹا بھائی ہے۔''

اچھا واپسی کا بتا۔''

''ہاں واپسی سے یاد آیا، بیگم کہہ رہی تھیں کہ امی نے دو ہی دن کے لیے بھیجا تھا ایسا نہ ہو ناراض ہو جائیں اس لیے واپس چلتے ہیں تو میں نے کہا: نہیں امی کیوں ناراض ہونے لگیں، بندہ اتنی دور آئے تو تین چار دن تو رہے، گھر والے کتنی محبت سے روک رہے ہیں، اب ان کا دل تو نہیں توڑا جا سکتا ناں۔''

''ہاہاہا یہ بول ناں کہ تجھے آؤ بھگت کا مزہ لگ گیا۔''

تیمور نے چھیڑا۔

''بھئی اتنی عزت جو مل رہی ہے جس کا کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔ تُو تو جانتا ہی ہے کہ ابا نے محنت مزدوری کر کے پالا پوسا پھر چل بسے، اور میں نے ان کا کام سنبھال لیا، گول گپے کی ریڑھی والا، اُدھر اماں بیمار ہوگئیں تو چھوٹی بہن کم سن تھی، کھانا پکانے سے بھی ناواقف، اب بیگم آگئی ہیں تو گھر گھر لگ رہا ہے ہمارا۔''

وہ اچانک سنجیدہ ہوگیا تھا۔

''اچھا یہ بتا، تجھے یہ رشتہ کہاں سے ملا؟''

''گلی میں پڑا تھا اٹھالیا، سوال تو دیکھو بے تکا۔''

''اچھا بتا ناں۔''

''ابا کے دوست کے بھائی کے سالے کی بیٹی ہے۔ کسی نے کہا اماں سے کہ تیرے گھر میں نبھا اچھا کرے گی، ہاں ایک عیب ہے کہ لڑکی ذرا بھینگی ہے! مگر اماں کو اور ہمیں تو یہ کوئی عیب نہ لگا۔ اب میرا رنگ گہرا ہے تو کیا یہ عیب ہے؟ استغفراللہ، یہ چھوٹی موٹی جسمانی کمی تو بیگم کی تمام خوبیوں کے سامنے ایک سوئی کے نوک کے برابر بھی نہیں۔''

''راحیل! اپنے بھائی کے پاس پنکھا لگا دے بیٹا!''

چاچا شفیق نے اسے باہر کرسی پر بیٹھا دیکھا تو اپنے بیٹے کو آواز دی۔''

''نہیں چچا! رہنے دیں۔''

''بجلی نہیں ہے ابا جی۔'' راحیل نے جواب دیا۔

''تو دستی پنکھا جھل دے۔''

''ارے آپ لوگ تو مجھے شرمندہ کر رہے ہیں چچا جی! راحیل رکھ دو بھئی، ہوا چل رہی ہے۔''

فون کے دوسری طرف تیمور اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ عزت افزائی، یہ آؤ بھگت تمھارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔''

اس کے دل میں یکدم عقیل کی عزت کئی گنا بڑھ گئی تھی۔

''اچھا تیمور بھائی!'' اس نے پھر لہجہ بدل لیا۔

''میں ان شاءاللہ تعالیٰ کل آجاؤں گا پھر ملیں گے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ!''

☆☆☆

# ایک یادگار ملاقات!

عفت مظہر۔ اسلام آباد

خولہ غضنفر اللہ سے ملاقات کا ذریعہ نادیہ شاکر دین پوری بنیں۔ انھوں نے عامرہ باجی کی کچھ کتب مجھ سے منگوائیں۔ اِس طرح اُن سے تعارف ہوا اور پھر یہ تعارف بہت جلد تعلق میں بدل گیا۔ ہماری گاہے بگاہے فون پر ملاقات ہوتی رہی۔ باتوں باتوں میں ایک بار خولہ کا ذکر آیا تو پھر خولہ سے بھی تعلق کا آغاز ہوگیا۔

خولہ سے بات کرکے مزہ آتا ہے۔ اللہ کی محبت ان کے اندر رچی بسی ہے۔ دورانِ گفتگو علم ہوا کہ خولہ کی بہن عائشہ غضنفر اللہ اسلام آباد بیاہی ہوئی ہیں۔ خولہ نے بتایا کہ کبھی کبھار اسلام آباد آنا ہوتا ہے۔ میں نے خولہ کو پابند کیا کہ اب آؤ تو مجھ سے مل کر جانا۔

چند دنوں بعد پتا چلا کہ خولہ کی سواری بعد بہاری اسلام آباد پہنچنے والی ہے، البتہ کب پہنچے گی یہ علم نہیں! پروگرام بنتا بگڑتا رہا اور آخر کار بن ہی گیا۔ خولہ اچانک اسلام آباد پہنچ گئیں۔ مختصر قیام تھا۔ ملاقات کے لیے عذر پیش کیا۔ عذر کے جواب میں، میں نے دو تین دھمکی آمیز پیغامات بھیجے کہ مجھ سے ملے بغیر تم کسی طور اسلام آباد کی سرحد عبور نہیں کرسکتیں تو دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ جواب آیا کہ میں تو آپ سے اور باجی سے ملنے کے لیے ہی آئی ہوں۔ ملے بغیر نہیں جاسکتی اور پھر وہ اپنے والد صاحب کے ہمراہ مجھ سے ملنے آئی۔ میرے تصوراتی خاکے سے ملتی جلتی، خوش مزاج، سلجھی ہوئی، عاجز۔

دونوں بہوؤں سے تعارف کروایا۔ بے تکلف ماحول میں گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔ اچھے دوستانہ تعلق کی تینوں نشانیاں خولہ میں موجود تھیں:

(۱) جسے دیکھ کر تمھیں اللہ یاد آئے (۲) جس کی بات سے تمھارے علم میں اضافہ ہو (۳) اور اُس کا عمل دیکھ کر آخرت کی طرف رغبت ہو۔

باتوں باتوں میں، میں نے خولہ سے بہت کچھ پوچھا۔

خولہ نے بتایا کہ ہم چھے بہن بھائی ہیں۔ سب سے بڑی عائشہ، پھر میں دوسرے نمبر پر ہوں۔ یہ سن کر میں مسکرائی اور بولی: ''یعنی آپ 'دونمبری' ہیں......!''

تو وہ شرماتے ہوئے مسکرادی۔

دنیوی تعلیم کے بارے میں جاننا چاہا تو خولہ نے بتایا کہ گریجویشن تک کا کالج میں پڑھا۔ ایم اے اسلامیات گھر بیٹھ کر کیا (بغیر کسی کی مدد کے)۔ نتیجہ بہت اچھا آیا۔ بتایا کہ بہاول پور میں لڑکیوں میں سب سے زیادہ نمبر میرے تھے۔ اس کے علاوہ قراءت کے مقابلے میں حصہ لیتی رہی۔ ۲۰۱۸ء میں پنجاب بھر میں میری اوّل پوزیشن آئی۔ مدرسے کا میرا بڑا شوق تھا مگر وہ پورا نہ ہوسکا۔ محرومی رہی، جس کا بہت افسوس ہے۔

مصروفیت کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگی: ''میں گھر کے کاموں میں والدہ کی معاونت کے ساتھ خواتین اور بچیوں کو قرآن پاک پڑھاتی ہوں۔ تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ کبھی پچیس بھی ہوجاتی ہے۔ قرآن سے ان کا تعلق مضبوط کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ یہ بہت محنت طلب کام ہے۔''

پھر بتایا: ''قرآن کریم سے میرا تعلق ایسا تھا کہ رمضان میں پندرہ پارے پڑھنے کا عزم کرتی۔ یہ بہت محنت طلب کام تھا، تھکن ہوجاتی تھی اور اس وجہ سے اور کاموں کا حرج ہوتا تھا۔ پھر کسی اللہ والے سے مجھے یہ سوچ ملی کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تعداد نہیں وقت مقرر کریں۔ فہم حاصل کریں، عبرت پکڑیں، جنت کے تذکرے پر اللہ تعالیٰ سے مچل مچل کر ان سے مانگیں، جہنم کے ذکر پر کانپتے ہوئے اس سے پناہ مانگیں۔ رب کی ہم کلامی سے مکمل سرور حاصل کریں۔ اس طرح قرآن پڑھنا شروع کیا تو دل کی آنکھوں میں روشنی اتر آئی۔ اب قرآن کھولتی ہوں تو سکون ملتا ہے، بند کرتی ہوں تو بے چین ہوجاتی ہوں۔''

خولہ کی بات سن کر میں نے دل میں سوچا کہ یہی تو سیکھنے والی بات ہے۔ یہ سب اجتماعیت اور صالح صحبت کا اثر ہے۔ خیر خواہ ساتھی دنیا بھی سنوارتے ہیں اور آخرت بھی۔ بے لوث بے غرض چاہنے والے مل جائیں تو پھر ہر قدم پر اصلاح ہوتی ہے۔ سوچ بدلتی ہے، فکر بدلتی ہے تو عمل بھی بدل جاتا ہے، پھر انسان سدھر اور سنور جاتا ہے۔

''اچھا یہ بتاؤ پکی دوستی کس سے ہے؟''

برملا جواب ملا: ''دوستی میں وفا شرط ہے اور اللہ تعالیٰ اور ان کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ وفا کرنے والا کوئی نہیں، سو اللہ رب العزت ہی سب سے پکے والے دوست

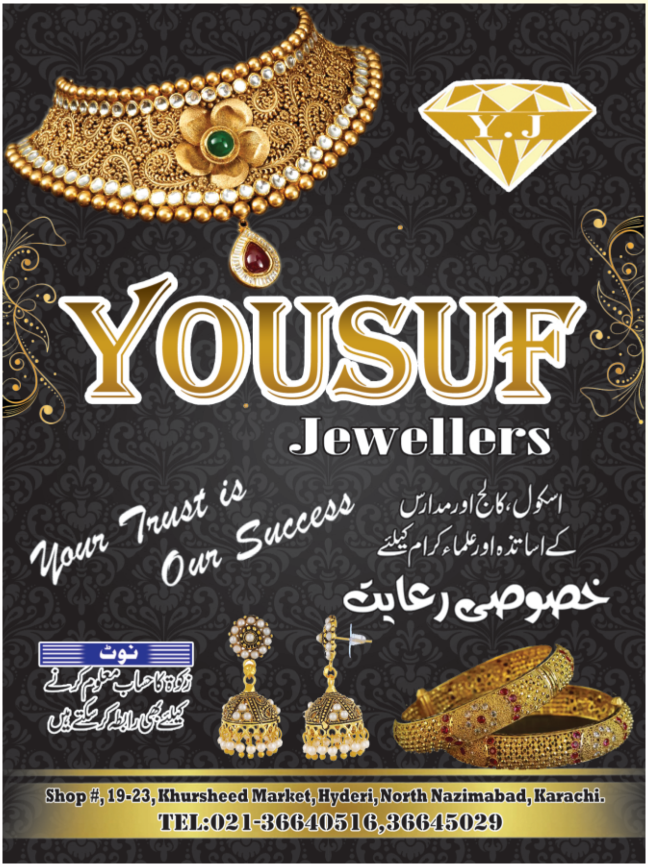

ہیں جبکہ اللہ کے بندوں میں وہ جو میرے ایمان میں اضافے کا باعث بنے۔ میری غلطی پر مجھے ٹوکے، میری اصلاح اسے عزیز ہو۔ میں عمر کا فرق نہیں دیکھتی۔ اچھی صحبت میں رہنا چاہتی ہوں کہ اُن پر برسنے والی رحمت کے کچھ چھینٹے مجھ پر بھی پڑ جائیں۔''

''اپنے مطالعے کے بارے میں بتاؤ؟''

بتایا: ''مستند اور چنیدہ کتب پڑھتی ہوں۔ ڈائجسٹ اور ناول میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتی۔''

قاریات بہنوں کو ایک بات بتاتی چلوں کہ خولہ کی عمر تو میری بیٹی کے برابر ہوگی لیکن تجربہ مشاہدہ دادی جان کے برابر ہے۔ اردو اتنی شائستہ اور گاڑھی کہ لگتا ہے کہ خولہ کا تعلق لکھنو سے ہے۔ ٹھہر ٹھہر کر بولنا بہت اچھا لگتا ہے۔

''لکھنے کا شوق کیسے ہوا اور محرک کون بنا؟''

میں نے خولہ کا باقاعدہ انٹرویو شروع کر دیا تھا۔

''ڈاکٹر مریم خالد رحمہا اللہ تعالیٰ میرے لکھنے کا سبب بنیں۔ جب مریم خالد کی اکیس سالہ زندگی کی کتاب اچانک بند ہوگئی تو دل کی عجیب کیفیت تھی۔ ان کو بے پناہ محبتوں سے نوازا گیا۔ ان کی خدمات کو سراہا گیا۔ دعاؤں کے نذرانے بھیجے گئے۔ آج بھی ان کی تحریریں زندہ ہیں تو مجھے خیال آیا کہ میں بھی کچھ کر جاؤں کہ بعد میں لوگ مجھے اچھے الفاظ میں یاد کریں۔''

میں نے مسکراتے ہوئے کہا: ''فکر نہ کرو خولہ! پریشانی کی ضرورت نہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ لوگ تمھیں بھی اچھے لفظوں میں یاد کریں گے۔ ہم خصوصی دعاؤں کی اپیل بھی کر دیں گے۔''

میرا اگلا سوال تھا کہ مریم خالد تو اب اس دنیا میں نہیں، زندوں میں تمھارا پسندیدہ لکھاری کون ہے؟

جواب میں خولہ نے مسکرا کر اور جھوم کر سر ہلایا: ''لکھنے میں آج کل باجی عامرہ احسان آئیڈیل ہیں۔ وہ اتنے پیار سے انجکشن لگاتی ہیں کہ 'سی' کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ اُن کا لکھا براہِ راست میرے دل میں جگہ بنا لیتا ہے، وہی میری مربی ہیں۔''

''اچھا اب جلدی سے بتاؤ کہ لکھنے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟''

''یہ سچ ہے اور تلخ حقیقت ہے کہ جب لکھنا شروع کیا تو مقصدیت واضح نہ تھی۔ تمنا ہوتی کہ نام چھپ جائے پھر دینی صحبتیں میسر آئیں، رخ بدلا، بتایا اور سمجھایا گیا کہ منزل کو پانے کے لیے قلم کے ذریعے معاشرے کے زخموں کی مرہم پٹی کرنا ہوگی۔ لہو رنگ ماحول میں پھیلی ہوئی تاریکیاں اپنے قلم کی روشنی سے مٹانی ہوں گی۔ معروف کو پھیلانا ہوگا، منکرات کو روکنے کے لیے قلم کو استعمال کرنا ہوگا۔ صفحے کے صفحے رنگین کرنا کوئی کمال نہیں، جب تک کہ اس میں کوئی سبق پوشیدہ نہ ہو۔ ایک تحریر پر اپنوں سے پیار بھری ڈانٹ بھی پڑی۔ الحمدللہ قلمی لغزش جب ہوئی تو ہاتھ پکڑ کر میری اصلاح کی گئی۔ الحمدللہ! اب نام کی جگہ پیغام کی فکر ہوتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ سب چاہتیں، محبتیں، رفاقتیں 'خواتین کا اسلام' کی مرہونِ منت ہیں۔ اس رسالے کے تعلق کی وجہ سے مجھے بہت خوشیاں ملیں۔

دورانِ گفتگو میں نے خولہ سے بہت کچھ سیکھا۔ ہماری ملاقات میں مقصدیت غالب رہی۔ ملاقات کے بعد میں نے دل میں ٹھانی کہ اس ملاقات کا احوال سپردِ قلم کروں گی۔

جاتے جاتے خولہ نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگوں سے ملنے سے قبل مجھے کوئی مقصد نہیں ملا تھا۔ اب ایک واضح مقصد میری نظروں کے سامنے ہے، جسے میں اوجھل ہونے نہیں دوں گی۔ اس سے میں بہت متاثر ہوئی، آپ لوگوں سے ملنے کے بعد میں آپ کی محبت میں بھیگ گئی، آپ لوگ کھلے دل سے محبتیں نچھاور کرتے ہیں اور دل جیت لیتے ہیں۔''

یہ تو تھا خولہ سے ملاقات کا احوال۔ اپنے ٹھکانے پر پہنچنے کے بعد خولہ کا یہ پیغام آیا:

جب میں آپ سے ملی تو مجھے گمان ہی نہیں ہوا کہ آپ سے پہلی بار مل رہی ہوں۔ بے حد یادگار اور شاندار دن کا شکریہ......!

☆☆☆

# تمیز اور اخلاق

شہنیلہ بیگم

ہمارے ہاں تمیز اور اخلاقیات کے معنی سمجھے جاتے ہیں:

۱۔ مہمانوں کے آنے پر سلیقے سے سجی ٹیبل ہونا۔

۲۔ باورچی خانہ اور گھر ہمیشہ صاف ستھرا اور بہترین حالت میں ہونا۔

۳۔ کھانا اور چائے سلیقے سے بنانا کر پیش کرنا۔

یہ تمیز اور اخلاقیات نہیں ہیں۔

تمیز اور اخلاق کہتے ہیں:

۱۔ دوسروں کی ذاتی زندگی میں بالکل بھی دخل اندازی نہ کرنا۔

۲۔ کسی سے یہ نہ پوچھنا کہ ابھی تک شادی کیوں نہیں ہوئی؟ بچے کیوں نہیں ہوئے؟ دو بیٹیاں ہیں تو بیٹے کے لیے تیسرا بچہ کیوں نہیں کیا؟ تنخواہ کتنی ہے؟

۳۔ بغیر اطلاع کسی کے گھر نہ جانا۔

۴۔ کسی بھی بچے کو ٹافی یا کوئی بھی کھانے کی چیز والدین کی اجازت کے بغیر نہ دینا۔

۵۔ کسی کے بنائے کھانے میں نقص نہ نکالنا۔

۶۔ کسی کی کمی کا مزاق نہ اڑانا۔

۷۔ غلطی کی اصلاح سب کے سامنے نہ کرنا۔

۸۔ عیوب کی پردہ پوشی کرنا۔

۹۔ احسان کر کے نہ جتانا۔

۱۰۔ کسی کے راز کو افشا نہ کرنا۔

☆☆☆

گھرمیں موجود

# سفید زہر

ڈاکٹر رابعہ خرم دُرانی

ہم میں سے بیشتر نے کبھی نہ کبھی سفید زہر کا نام سن رکھا ہوگا۔ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ چینی سفید زہر کہلاتی ہے۔ بلاشبہ چینی میٹھا سفید زہر ہے جسے نہ صرف ذیابیطس، انسولین ریزسسٹینس، میٹابولک سینڈروم اور موٹاپے کے شکار افراد استعمال نہیں کر سکتے بلکہ اس سے ہر تندرست شخص کا اجتناب بہتر ہی ہے لیکن اس کے علاوہ بھی ہمارے کچن شیلف پر موجود مصالحوں کے ڈبوں میں چند سفید زہر بھرے ہوئے ہیں۔ خوردنی نمک بھی ایسا ہی سفید (یا گلابی) زہر ہے۔ بہت دور نہ جائیں بس یہی کوئی پانچ ہزار سال پہلے تک تو انسانی خوراک میں اضافی نمک کا شائبہ تک نہ تھا تب بھی انسان زندہ تھے۔ اُن کے جسم کے لیے ضروری نمک (سوڈیم) ان کے لیے اس وقت میسر خوراک سے ہی مہیا ہو جاتا تھا۔

اس وقت کا انسان جو خوراک کھاتا تھا اسے ماڈرن دور کی زبان میں ان پروسیسڈ فوڈ کہا جاتا ہے، یعنی کچے پھل، سبزیاں، نباتات، مچھلی اور گوشت۔

اس وقت کے انسان کا جسمانی نظام انتہائی مضبوط تھا کہ وہ اپنی ضرورت کا نمک اسی خوراک میں سے ہضم کر کے جزو بدن بنا لیتا تھا۔ یوں اس کے دماغی نیوران، رگ پٹھے، دل، جگر، گردے درست کام کرتے رہتے تھے۔ اس وقت کے انسان دل کے دورہ یا فالج سے ناواقف تھے لیکن پھر چین والوں نے نمک کا استعمال شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ ذائقہ دیگر تمام ذائقوں کا سرخیل بن بیٹھا۔ یہاں تک کہ اب ہمارے کھانے میں سب کچھ ہو، بہترین کھانا، بہترین مصالحہ جات اور زبردست ماہر ہاتھوں میں مناسب درجہ حرارت پر شاندار انداز سے پکا ہو لیکن اس میں نمک نہ ہو تو ہم میں سے بیشتر اسے کھانے سے انکار کر دیں گے۔

اس منزل کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اس کے کھانے والے پر اسے حلال کرنا واجب مانا جاتا ہے اور حلال نہ کرنے والا نمک حرام کہلاتا ہے!

جدید دور کی بہت سے دیگر قباحتوں میں سے ایک بڑی قباحت ''آرام دہ پروفیشنل لگژری'' طرز زندگی ہے جس کی وجہ سے ہماری صحت کا تقاضا ہے کہ ہم یا تو نمک کھانا چھوڑ دیں یا اسے ورزش کے ذریعے پسینہ بہا کر اپنے جسم کے لیے حلال کریں۔ ورنہ یہ اضافی نمک سلو پوائزن کے طور پر جسم میں بڑھتا چلا جائے گا اور بالآخر صاحب دل کے دل کی صحت کے لیے موذی و مہلک ثابت ہوگا۔ بجا ہے کہ ''چھٹتا نہیں ہے یہ کافر منہ کو لگا ہوا'' لیکن جیسے دودھ پیتا بچہ بتدریج نرم سے ٹھوس غذا پر منتقل ہوتا ہے بعینہٖ ہم اس نمک کو کم سے کمتر اور مکمل ختم کر سکتے ہیں۔ ایسا کر کے ہم خود اپنے ساتھ وفاداری نبھائیں گے۔

اس ذائقے کے متبادل کے طور پر ہم پسی سیاہ مرچ، پیپریکا، سفید سرکہ، لیموں یا زیسٹ zest، لہسن یا جلا ہوا پیاز (Burnt onion) خوردنی بیسٹ (yeast)، دیگر مصالحہ جات (herbs and spices) استعمال کر سکتے ہیں۔

عین ممکن ہے کہ ابھی آپ میری بات سے اتفاق نہ کریں لیکن یقین کیجیے مجھے بھی اس بات کے ماننے اور لکھنے میں قریب ایک سال کا وقت لگا ہے۔

اچھا عام ٹیبل سالٹ سے بھی زیادہ زہریلا چائنیز نمک المعروف آئینوں موٹو یا GLUTAMATE SODIUMMONO ہے۔ اس کے برے اثرات اتنے واضح اور اتنے زیادہ ہیں کہ دنیا کے بے شمار ممالک میں اس کا استعمال ممنوع قرار دے دیا گیا ہے لیکن ہمارے یہاں ممنوع ہونے کے باوجود اس کا استعمال جاری ہے۔ دال کا ذائقہ بڑھانے والی کیوبز یا چائنیز ہوٹل میں میسر چائنیز اور اسی قبیل کی دیگر فارن خوراکوں میں اسے ذائقہ بڑھانے کے لیے دھڑلے سے استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسا ذائقہ جو آپ کے ٹیسٹ بڈز کو چیلنج دے کر مجبور کر دے کہ آپ زیادہ کھائیں اور بار بار کھانے کے لیے واپس آئیں۔ اس نمک کا استعمال بڑھتے ہوئے بچوں کے لیے انتہائی مضر ہے۔ ان کی جسمانی اور خصوصاً ذہنی نشوونما پر اس کے نہایت ضروری رساں اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ ہر پروسیسڈ فوڈ سے بچیں یا کم از کم اس کے اجزاء پر غور کر کے تسلی کر کے اسے کھانے یا نہ کھانے کا فیصلہ کریں۔

دو مزید سفید زہر میٹھا سوڈا اور بیکنگ پاؤڈر ہیں۔ ان میں بھی سوڈیم کی بہت زیادہ مقدار پائی جاتی ہے جو ہائی بلڈ پریشر خصوصاً سوڈیم سینسٹو ہائی بی پی کے مریض کے لیے نہایت مضر ہو سکتی ہے۔ تمام بیکری آئٹمز اور فاسٹ فوڈز میں یہ میں اجزا ہوتے ہیں۔ ان کی موجودگی ڈبل روٹی، کیک، پیسٹری، بسکٹ، نان، تافتان شیرمال اور نان خطائی، پیزا جیسی ہر خوراک کی نرمی اور پھولے پھولے ہونے کی ضامن ہوتی ہے لیکن یہی چیز آپ کے جسم میں پانی روک کر جسم کو بھی سوجا سوجا پھولا پھولا بنا دیتی ہے۔ اس لیے اس سے ہر صورت بچیں۔ بیکری آئٹمز اگر بہت ہی چاہت ہو تو گھر پر بنائیں اور بیکنگ پاؤڈر یا سوڈا کی جگہ خمیر (YEAST) استعمال کریں۔ ویسے سچی بات ہے کہ ان چیزوں کا نہ کھانا، انہیں کھانے سے لاکھوں کروڑوں گنا بہتر ہے۔

سفید ریفائنڈ آٹا، میدہ، کارن فلور، بیسن، چاول کا آٹا، کسٹرڈ پاؤڈر اور ہر طرح کا ریفائینڈ آٹا چاہے وہ گندم کا ہو یا کسی اور جنس کا یہ گلوٹین سینسیٹیویٹی، میٹابولک سینڈروم، موٹاپا، جوڑوں کی تکلیف، انسولین ریزسسٹینس، پولیسسٹک اوو ریز، انفرٹیلیٹی اور اٹھرا جیسے امراض میں نہایت مضر ہے۔

جبکہ خصوصی طور پر پسوایا بنا چھنا چکی کا آٹا، گلوٹین فری آٹا، نیز ملٹی گرین آٹا بہترین متبادل ہیں۔ اگرچہ ان کا بھی کم سے کم استعمال بہتر ہے۔ بھوک مٹانے کے لیے اناج کے علاوہ اور بھی کئی طریقے ہیں۔ تازہ سلاد، سبزیاں، گوشت انڈے استعمال کرنا صحت مند طریقہ ہے۔ اس پر پھر کبھی تفصیل سے بات ہوگی ان شاءاللہ!

ابھی تو تھوڑا کہے کو بہت جانیے کہ سیانا وہ ہے جو صحت کو بچت جانے۔

☆☆☆

اُمِ محمد سلمان

# شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

اکمل صاحب ایک سرکاری ادارے میں معمولی حیثیت کے ملازم تھے۔ تنخواہ بس اتنی تھی کہ گھر کا گزر بسر ہو جائے۔ گھر والدین کے زمانے کا تھا جس میں تینوں بھائی رہائش پذیر تھے۔ دو مرلے کے پلاٹ پر اوپر نیچے تین منزلیں تعمیر کی گئی تھیں۔ والدین کا انتقال ہو گیا تھا۔ تینوں بھائی شادی شدہ اور بال بچوں والے تھے۔ سب نے ایک ایک منزل لے رکھی تھی اور جیسے تیسے اپنی زندگی کی گاڑی گھسیٹ رہے تھے۔ اکمل صاحب بھائیوں میں بڑے تھے۔

بیٹی جوان ہوئی تو اس کی شادی کی فکر نے انھیں آ گھیرا، پھر ایک مناسب جگہ رشتہ طے ہو گیا اور سال بعد شادی ہونا قرار پائی تو اب اس کی شادی پر اٹھنے والے اخراجات کی فکر نے آ گھیرا۔ اِدھر اُدھر بہت ہاتھ پیر مارے کہ کہیں سے قرض مل جائے تو بیٹی کے ہاتھ پیلے کر دیں مگر ایک غریب سرکاری ملازم کو لاکھوں کا قرض کون دے؟

ہماری بے جا فضول خرچیوں اور رسم و رواج نے شادی کو مشکل بھی تو کتنا بنا دیا ہے۔ جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو اپنے دفتر سے قرض لینے کا سوچا۔ آٹھ لاکھ روپے قرض منظور ہو گیا لیکن وہ بھی سود پر اور ہر مہینے آدھی تنخواہ قرض کی مد میں کٹنے لگی۔ (یہ اب سے تقریباً پانچ چھے سال پہلے کا واقعہ ہے!)

بچی کے معمولی زیور، کپڑے، جہیز کا سامان، فرنیچر اور مختلف رسموں پر ہی پانچ چھے لاکھ روپے خرچ ہو گئے۔ باقی تین چار لاکھ شادی ہال اور کھانے کے انتظامات میں کام آ گئے۔ یہ ایک نچلے درجے کی عام سی شادی کے اخراجات ہیں۔ ایک باپ اپنے چھے بچوں میں سے صرف ایک بیٹی کی شادی پر اتنا مقروض ہو گیا کہ گھر میں کھانے کے بھی لالے پڑنے لگے۔ جس تنخواہ میں پہلے ہی گزارا مشکل تھا، اب اس میں سے بھی نصف قرض کی مد میں کٹنے لگی۔ باقی بچوں کی تعلیم، کھانا پینا، گھر کے اخراجات سب کہاں سے اور کیسے پورے ہوں؟ انھوں نے چھوٹے بیٹے کو کام پر لگا دیا اور خود بھی پارٹ ٹائم لگانا شروع کر دیا۔ سب مل کر اس بوجھ کو اپنے سر سے اتارنے کی جدوجہد کرنے لگے۔ دال روٹی اور سستی سبزیوں پر گزارا ہونے لگا۔ نئے کپڑے بنانے کا تو خیال بھی نہیں آتا تھا کسی کو۔

بیاہی بیٹی جب میکے آئے تو داماد کی خاطر مدارت کے لیے کچھ اچھا ہونا بھی ضروری تھا۔ چھوٹے بہن بھائی بھی باجی کو دیکھ کر خوش ہو جاتے کہ وہ آئی ہے تو کھانا اچھا ملے گا، ورنہ روزانہ وہی دال سبزی کھا کھا کے بچے بھی اکتائے رہتے۔ بزرگوں میں ایک مقولہ مشہور ہے کہ کنواری کھائے روٹی، بیاہی کھائے بوٹی یعنی بیٹی جب تک والدین کے گھر ہوتی ہے تو اسی دال دلیے پر گزارا کرتی ہے مگر جب شادی شدہ ہو کر میکے آئے تو داماد کی وجہ سے خوب خاطر مدارت کرنی پڑتی ہیں، اور پھر اخراجات کا یہ سلسلہ کبھی بند نہیں ہوتا۔

ہماری فرسودہ روایات کا ایک جمِ غفیر ہے جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ کبھی عیدی کے نام پر تحائف بھجوائے جا رہے ہیں، کبھی دیگر تہواروں کے نام پر پھر بیٹی کے ہاں اولاد کی خوش خبری ہو تو وہ بھی ماں باپ بھگتیں۔ جی ہاں! اس خوشی کے موقع کو بھی غریب اور متوسط طبقہ بجائے خوشی منانے کے بھگتتا ہی ہے، اور پھر بیٹی داماد کے ساتھ ساتھ اس ننھے مہمان کے لیے بھی تحفے تحائف لیے جائیں۔

ابھی وہ بے چارے اس جنجال سے نکلنے نہ پائے تھے کہ دوسری بیٹی کی شادی کا موقع آ گیا۔ اب تو دوسرا بھائی بھی کمانے کے لائق ہو گیا تھا، چلو بھئی پھر سے اور قرض پکڑو، نہیں مل رہا تو کمیٹیاں ڈالو۔ اب پھر شادی کے نام نہاد خرچے اور پھر قرضوں میں جکڑے ہوئے باپ اور بھائی۔ مہینہ کتنی جلدی پورا ہو جاتا ہے، کمیٹی والی خالہ پہلی ہوتے ہی کیسے سر پر آ کھڑی ہوتی ہیں۔ ابھی بجلی اور گیس کے بل، دوائیں، گھریلو اخراجات، بچوں کی تعلیم کا خرچ اور نجانے کون کون سے خرچے۔ غریب سکون کے دو لقموں کو ترس جاتا ہے۔

یہی حال لڑکوں کی شادیوں میں ہوتا ہے۔ کمانے لگ جائیں تو جوانی کے تقاضے بھی ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ شادی کی خواہش سر اٹھانے لگتی ہے مگر والدین کہتے ہیں بیٹا ابھی تو چار چھے تولے زیور بنوانا ہے، پھر بارات اور ولیمے کے لیے دلہن کے بھاری جوڑے بنوانے ہیں، پھر ہال اور کھانے کا خرچ ہے، پہلے آٹھ دس لاکھ تو جمع کر و پھر کچھ سوچتے ہیں شادی کے بارے میں۔ آخر ہماری بھی معاشرے میں کوئی عزت ہے۔

بے چارے نوجوان کے کومل جذبے مچل کر رہ جاتے ہیں۔ کمائی کی نہ ختم ہونے والی دوڑ شروع ہو جاتی ہے۔ پیٹ کاٹ کاٹ کے کمیٹیاں ڈالی جاتی ہیں۔ برسوں تک پیسا پائی پائی کر کے جوڑا جاتا ہے اور پھر شادی کے چار دنوں میں سب پیسا پانی کی طرح بہا دیا جاتا ہے۔ خود برسوں تک چٹنی روٹی کھا کے، برادری اور رشتے داروں کو اپنی حیثیت سے بڑھ کے مہنگے ہال میں پر تکلف کھانا کھلایا جاتا ہے۔ سب دوست احباب اور رشتے دار قیمتی ملبوسات بنواتے ہیں، خاص طور پر خواتین اور بچیاں پارلر سے تیار ہو کر آتی ہیں۔ کچھ دیر کے لیے اپنے آپ کو ہر لڑکی شہزادی سمجھتی ہے اور خوب اترا اترا کر ہال کا چکر لگاتی ہے۔ خاندان کی خواتین بھی اکٹھی ہو کر ایک

## یہ خصلت خاتونی ہے!

اثر جونپوری

مرد اگر باتونی ہے
یہ خصلت خاتونی ہے
پھر تو ہونا ہے مشکل
کام اگر قانونی ہے!
ہے وہ اتنا ہی خائن
رشتہ جو بھی خونی ہے
حد سے تجاوز جو کر لے
ایسا شخص جنونی ہے
ہر ہر ہاتھ میں موبائل
جس کو دیکھو فونی ہے
ہیں مظلوم فلسطینی
ظالم ہر صیہونی ہے
حرصِ مال کا ہر بیمار
سچ پوچھو قارونی ہے

☆☆☆

دوسرے پر اپنے زیور، کپڑے اور میک اپ کا رعب ڈالتی ہیں۔ یہ اور بات کہ سوائے چند ایک بے وقوف خواتین کے کوئی ان کے رعب میں نہیں آتا۔ ہر کسی کو بس اپنی پڑی ہوتی ہے۔ ہر عورت یہی سمجھتی ہے کہ آج وہی ملکہ حسن ہے اور پھر کچھ چند گھنٹوں کے بعد جب تقریب ختم ہوتی ہے، سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں تو صبح اٹھتے ہی یہ سارے شہزادے، شہزادیاں اور ملکائیں اپنے اپنے گھروں میں منہ ہاتھ دھو کے چائے میں پاپے ڈبو کے کھا رہے ہوتے ہیں۔

یہی پیسہ اگر بچایا ہوتا تو آج بیٹھ کے مزید صحت بخش ناشتا کر رہے ہوتے۔ کل رات جو اطلس و دیبا کے لباس زیب تن کر رکھے تھے، اب بدن پر وہی پرانے بدرنگ لباس ہیں۔ یہ ہزاروں روپے جو شادی کے دو تین فنکشن کے جوڑے بنانے پر خرچ کیے، اس میں سے کچھ پیسے خرچ کر کے دو تین جوڑے متوسط درجے کے گھر میں پہننے کے لیے اور شوہر کی آنکھوں کو تراوٹ بخشنے کے لیے بنوا لیے ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا مگر یہ ہماری عقل کا فتور ہے، جو ہمیں ایک دن کی عیاشی کے لیے برسوں کا مقروض کر دیتا ہے۔ آخر ہم لوگ ایسے کیوں ہیں؟ ان رسم و رواج کے پیچھے اندھا دھند کیوں بھاگ رہے ہیں؟ ہماری بچیاں شادی کے نام پر بے تحاشا شاپنگ کر کے کیوں اپنے باپ اور بھائی پر اضافی بوجھ ڈالتی ہیں؟ جہیز کا زیادہ تر سامان وہ ہوتا ہے جو برسوں استعمال نہیں ہوتا۔ کئی کئی طرح کے تو صرف برتنوں کے سیٹ ہی دیے جاتے ہیں، جن میں سے کچھ ہی استعمال ہوتے ہیں باقی الماریوں میں پڑے رہتے ہیں۔ آخر کیوں اتنے قیمتی برتن خریدے جاتے ہیں جنھیں استعمال کرنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔ ہمارے عام متوسط گھرانوں میں کھانے کی بڑی بڑی ڈائننگ ٹیبل نہیں لگی ہوتیں جہاں قرینے سے یہ برتن سجائے جائیں۔ ارے بھئی ہمارے یہاں تو زمین پر غالیچہ بچھا کے دستر خوان لگایا جاتا ہے، یہاں نوکر چاکر نہیں صرف ایک خاتون خانہ ہے جس نے یہ برتن سمیٹ کر دھو کر خشک کر کے پھر الماری میں بھی رکھنے ہیں حفاظت سے۔ سو آخر ہم لوگ کیوں اپنی زندگی کو اتنا مشکل بنا لیتے ہیں؟

اور شادی کے ملبوسات کے تو کیا ہی کہنے جو صرف دعوتوں میں پہنے جاتے ہیں اور پھر الماریوں میں پڑے خراب ہوتے رہتے ہیں۔ کیوں کہ دلہن بیگم کو یہ جچتے بہت ہیں اور پھر کچھ ہی عرصے میں جب وہ والدہ ماجدہ کے عہدے پر فائز ہوتی ہیں تو بیشتر لباس حدود اربع پر پورے ہی نہیں آتے۔ بارات اور ولیمے کے جوڑے منہ چڑا رہے ہوتے ہیں، جنھیں دلھن برسوں تک ان جوڑوں کو شادی کی یادگار کے طور پر سنبھالے رکھتی ہے اور ہمارے دولھا حضرات! اُن بے چاروں کو تو شادی پر لیے گئے قرضے ادا کرنے ہی سے فرصت نہیں ہوتی کہ دو گھڑی دلھن کے ساتھ بیٹھتے، اچھا کھاتے پیتے، ذرا باہر جاتے، گھومتے پھرتے عیش کرتے، خوش ہوتے، ہنستے کھلکھلاتے مگر نہیں شادی کے خرچوں کے بھاری بوجھ تلے دولھے میاں کی خوشیاں دب کر رہ جاتی ہیں۔ خوشیوں کی بجائے منوں بوجھ کندھوں پر دھرا محسوس ہوتا ہے۔ آخر ہم ان مسائل کا حل کیوں نہیں سوچتے؟

شادی دو دلوں کا بندھن اور دو خاندانوں کا ملاپ ہے۔ سادگی سے شادی کرنی چاہیے جیسے ہمارے دین میں سکھایا گیا ہے۔ عمر بھر کی پونجی، برسوں کی بچت، گھر اور جائیدادیں فروخت کر کے شادی پر بے جا اخراجات کر کے ہماری کون سی حس کی تسکین ہوتی ہے؟

لوگ کھانے کھا کے سیلفیاں بنا کے چلے جاتے ہیں۔ کوئی یاد بھی نہیں کرتا کہ کسی اکمل


شادی میں دینے کے لیے ایک قیمتی تحفہ

دُلہا دُلہن نیک ہوں گے تو ایک بھی ہوں گے اِن شَاءَاللّٰہُ تعالیٰ

نیکی کی طرف مائل کرنے میں مددگار کُتب

تحفۂ دُلہن

- خوشگوار زندگی کے سنہری اصول
- کامیاب بیوی کی 6 خوبیاں
- سسرال میں خوش رہنے کی تدابیر
- ایک ماں کی 10 وصیتیں

تحفۂ دُلہا

- نیک بیوی کے لیے دعائیں
- پُرسکون زندگی بنانے میں مددگار
- باہمی محبت اور جھگڑوں سے حفاظت کی تدابیر

آئیں! مل کر کتاب دوستی کو فروغ دیں اور اس پیغام کو عام کریں۔

مستند مجموعۂ وظائف

اب موبائل ایپلی کیشن میں بھی دستیاب ہے۔

GET IT ON Google Play

بیتُ العلم

کراچی فون: 021-32726509، موبائل: 0309-2228089

لاہور فون: 042-37112356

Visit us: www.mbi.com.pk maktababaitulilm

صاحب نے سودی قرض لے کر، کسی ادریس بھائی نے اپنی جائیداد بیچ کر، کسی شکورن خالہ نے برسوں کمیٹی ڈال کر اور کسی نوجوان نے اپنی جوانی رول کر یہ پیسا پائی پائی کر کے جوڑا تھا جسے یوں ایک دن میں اڑا دیا گیا۔ صرف اور صرف نام و نمود کے لیے نمائش کے لیے، اپنی نام نہاد حیثیت جتانے کے لیے، اپنے خاندان کا نام اونچا کرنے کی خوش فہمی کے لیے، اور افسوس حاصل پھر بھی کچھ نہیں ہوتا سوائے خسارے کے۔ کیونکہ کیڑے پھر بھی ہر بات پر نکالے جاتے ہیں، تو جب لوگوں نے خوش تب بھی نہیں ہونا تو کیوں ان کی باتوں کے خوف سے ہم اپنی زندگی مشکل بنائیں؟ بلکہ خود ان کے لیے نمونہ بن جائیں۔

آئیے شادی کی تقاریب کو آسان بناتے ہیں۔ اپنے آپ سے عہد کیجیے کہ خود اپنی اور بچوں کی شادی سادگی سے کریں گے۔ بے جا اخراجات سے گریز کریں گے۔ بارات کا کھانا کسی رسم کے طور پر کھلانا کسی صورت جائز نہیں، ولیمے کے لیے مہنگے ہال بک کرنا اور درجنوں کھانے پکوانا کوئی ضروری نہیں۔ ولیمہ ایک دیگ یا بلکہ گھر ہی میں کھانا پکا کے گھر کے افراد اور چند قریبی رشتے داروں اور دوست احباب کو کھانا کھلا کے بھی کیا جا سکتا ہے۔

اور یہ تجاویز صرف خیالی پلاؤ نہیں بلکہ ہمارے اسی معاشرے میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو آج بھی شرعی حدود کے اندر نہایت کم خرچ میں اپنے بچوں کی شادیاں کرتے ہیں۔ اپنے اور دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرتے ہیں۔ نمود و نمائش اور نفس و شیطان کے دھوکے میں آ کر اپنی دنیا و آخرت خراب نہیں کرتے۔

آپ بھی اپنے بچوں کے لیے کمائیے، ان پر خرچ بھی کیجیے مگر معاشرے کے ڈر سے فضول رسم و رواج پر اپنی محنت اور خون پسینے کی کمائی مت لٹائیے۔

☆☆☆

آپ کا دسترخوان

# موموز (Momos)

سیما انجم فرید

مدرسے میں اعدادیہ کا ایک گھنٹہ ہم بھی لیتے ہیں۔ باجی صاحبہ نے فرمایا کہ ہفتے میں ایک دن کچھ گھریلو امور کا بھی ان کو کچھ بتا دیا کریں، کیونکہ یہ ہمارا پسندیدہ میدان ہے۔

خیر ایک دن مسائل کے گھنٹے کے بعد بچیوں سے سوال کیا کہ کون سی ترکیب آپ کو بتاؤں؟ ایک شوخ طالبہ کی طرف سے جھٹ سے مطالبہ آیا: ”باجی! ہمیں موموز (Momos) کی ترکیب بتائیے۔“

اب ہماری ہونق حالت کہ مارکیٹ میں کون سی یہ نئی چیز دریافت ہوئی ہے۔ ہم تو یہ نام پہلی بار سن رہے ہیں۔ ایک دوسری بچی نے جب ہمیں گم صم دیکھا تو میری مدد کو کود پڑی اور بولی: ”ارے باجی اتنی آسان ترکیب تو ہے، ایسے ایسے جھٹ پٹ موموز بن جائیں گے۔“ یہ کہہ کر پوری ترکیب مجھے بتادی۔

گھر آ کر میں نے خود بھی یہ ترکیب کھنگال ڈالی۔ بارہ ربیع الاول کی چھٹی پر میں نے پہلی مرتبہ یہ ترکیب بنائی۔ اسے بھاپ میں بنایا جاتا ہے۔ صورت شکل تو خاص نہیں تھی، لیکن کھانے میں محمد احمد کو بہت پسند آئی۔ ترکیب پیش خدمت ہے:

**اجزا:** میدہ ایک بڑا کپ، تیل تین بڑے چمچ، نمک حسبِ ذائقہ۔

میدے میں تیل اور نمک ڈال کر کو ٹھنڈے پانی سے گوندھ کر رکھ لیں۔

### بھرائی والی اشیا:

**اجزا:** مرغی کا قیمہ ایک کپ، پیاز درمیانی ایک عدد (باریک کتری ہوئی)، سویا سوس، چلی ساس، دونوں ایک چھوٹا چمچ، کالی مرچ چوتھائی چمچ، لال مرچ ایک چھوٹا چمچ، نمک حسبِ ذائقہ، ادرک لہسن پسا ہوا ایک چھوٹا چمچ۔

### ترکیب:

ایک بڑا چمچ تیل میں سب چیزیں بھون لیں۔ جب تھوڑا سا بھن جائے تو پانی کا چھینٹا مار کر قیمے کو ہلکی آنچ پر رکھ کر گلا لیں دو تین منٹ کے بعد کتری ہوئی پیاز ملا کر چولھا بند کر دیں۔ آمیزہ ٹھنڈا ہو جائے تو اب ایک پتیلی میں پانی گرم ہونے کے لیے رکھ دیں۔

اس پر بھاپ کے لیے چھلنی رکھیں، ہاں پہلے تیل سے چھلنی کو چکنا کر لیں۔

میدے کے چھوٹے چھوٹے گول پیڑے بنا کر ان کی گول چھوٹی سی روٹی بیل لیں۔ جتنی جسامت کچوری بنانے کے لیے ہوتی ہے، اتنی جسامت ہونی چاہیے۔

روٹی کے آدھے حصے پر مرغی کا آمیزہ رکھیں پھر خالی آدھے حصے سے اس کا منہ بند کر دیں۔ جب بھاپ بن جائے تو ”موموز“ اس چھلنی پر رکھ کر ڈھکن سے بند کر دیں۔ آدھے گھنٹے تک بھاپ میں پکنے دیں۔

جب تیار ہو جائیں تو پلیٹ میں نکال لیں اور کیچپ، گارلک ساس وغیرہ کے ساتھ پیش کریں۔ اچھے نتیجے کے لیے کوشش کریں میدے کی روٹی بالکل باریک پرت کی ہو، موٹی تہ نہ ہو۔

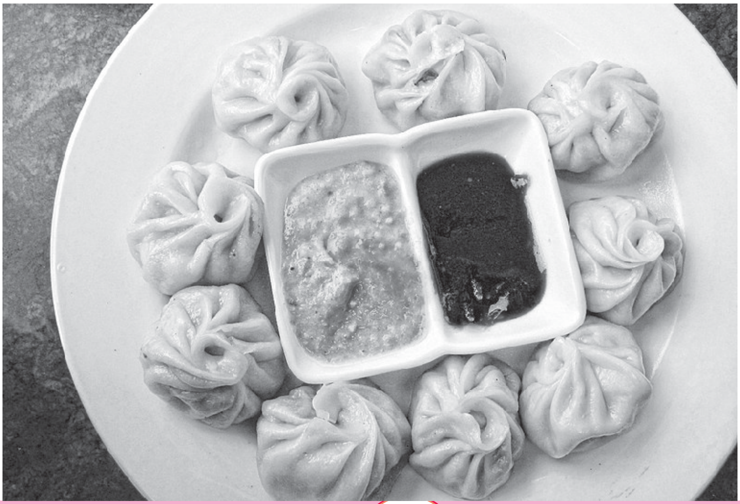

# شکر ادا کرتے ہیں!

انیسہ عائش۔ ٹیچر کالونی، کوٹ رادھاکشن

ہمیں نئے گھر میں منتقل ہوئے دو ہفتے ہی ہوئے تھے۔ پڑوسیوں کے بچوں سے ہماری اچھی علیک سلیک ہوگئی تھی کہ اُن کی بڑی بیٹی ہماری ہی اکیڈمی میں پڑھتی تھی۔

ایک دن میں نے اس سے پوچھا:

”عائشہ! آپ لوگوں کے گھر میں شور شرابا، میرا مطلب رونق وغیرہ محسوس نہیں ہوتی، بولنے کی آواز بھی نہیں آتی جیسے مکان مکین کے بغیر ہو۔“

”ہاں وہ ناں امی ابھی گاؤں گئی ہیں ناتو اسی لیے۔“

میں نے الجھن زدہ نظروں سے اسے دیکھا کہ رونق کا امی سے کیا تعلق؟

دودن بعد شام میں امی باورچی خانے میں کام کررہی تھیں۔ بھائی کمپیوٹر پر مصروف تھے تو نفیسہ اپنے گرد رنگ برنگے کارڈز، کلرز، گلوگن اور دوسری اشیاء بکھرائے بیٹھی تھی۔ ایک طرف عفیفہ اور جواد کسی بات پر بحث کررہے تھے جو ہاتھا پائی کی طرف منتقل ہونے جارہی تھی اور امی بلند آواز میں ان دونوں کو ڈانٹ رہی تھیں کہ اچانک ٹھاہ کی زوردار آواز ہمیں چونکا گئی۔

”عاشی، ماشی، سعود!“

پاٹ دار آواز میں فرداً فرداً نام پکارے گئے۔

ہم ابھی اس حملے سے سنبھلے نہ تھے کہ ”نکمی، بے کار، ناہنجار جیسے ناگفتہ القابات کی بارش ہونے لگی جو جلد ہی شدید گولہ باری میں بدل گئی۔ بیچ بیچ میں ٹھاہ ٹھاہ ڈزڈز ارتڑاخ تڑاخ کا تڑکا بھی لگتا رہا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سامنے والی دیوار میں شگاف پڑ گیا ہو اور ایک دبنگ اور کرخت آواز دیوار کو پھاڑتی، کانوں کو چیرتی، دماغ کی چولیں ہلانے میں کامیاب ہو رہی تھی۔

قریب آدھ گھنٹے کے بعد طوفان تھما تو دماغ اور کان سائیں سائیں کررہے تھے۔ جب دھڑکنوں کا ربط معمول پر آیا اور اوسان بحال ہوئے تو اطراف پر نظر ڈالی تو منظر کچھ یوں تھا کہ نفیسہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھی، عفیفہ اور جواد ایک دوسرے سے لپٹے تھے اور امی کی طرف بھی سناٹا تھا۔

”اوہ تو عائشہ کی امی جان تشریف لے آئی ہیں اپنی تمام تر رونقوں کے ساتھ۔“

بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

اب تو پڑوس میں ہر ہفتے کچھ ایسی رونق لگتی کہ ہر دیوار سے ان خاتون کی آواز کود پھلانگ کر آتی محسوس ہوتی۔ کبھی ان کا اپنے شوہر سے جھگڑا ہوتا تو کبھی بہن سے، ان سے نہ ہوتا تو اپنے بچوں کی خبر لیتیں۔ اب ہمیں اچھی طرح سمجھ میں آ گیا تھا کہ عائشہ نے رونق کو اپنی امی کی آمد سے کیوں منسوب کیا تھا؟

جب وہ خاتون کفن پھاڑ کر بولتیں تو محلے بھر میں سناٹا چھا جاتا۔ اگر کبھی ابو جان گھر پر ہوتے تو اُن کے چہرے کے تاثرات سے محسوس ہوتا کہ وہ ضبط کی حدوں کو چھو رہے ہیں۔

اکثر گھروں میں مردوں کے چیخنے، چلانے، بلند آواز میں دھاڑنے کی آوازیں آنا معمول ہوتا ہے مگر چونکہ ہمارے ابا جان ایسے مردوں کی صف سے خارج ہیں تو کسی خاتون کا یہ رویہ ہمارے لیے بڑا حیران کن ہوتا۔ اگرچہ ہماری امی بھی جب غصے میں آتی ہیں تو خوب سناتی ہیں مگر ان کی آواز نہ اتنی دبنگ ہوتی نہ ہی اس قدر بلند کہ گھر کی دہلیز پار کر جائے۔ (شاید اسی لیے ہم ایک کان سے گزار کر دوسرے سے بآسانی نکال دیتے ہیں!)

ایک روز معمول کے مطابق پڑوس خاتون نے اسٹارٹ لیا تو درمیان میں بچوں کی چیخ کی آوازیں سن کر ہم دل تھام کر رہ گئے۔ ہمیں شبہ ہوا کہ ڈانٹتے ہوئے اٹھا پٹخ ان کا معمول ہے تو کہیں کسی بچے کو نہ پٹخ مارا ہو مگر اگلی صبح عائشہ نے بتایا کہ اماں لڑتے لڑتے بے ہوش ہوگئی تھیں۔ دراصل وہ ناں شوگر کی مریضہ ہیں اس لیے ہائپر ہوجاتی ہیں۔“

اس نے روہانسی ہو کر ہمیں وضاحت دی۔

ہم تو اُن خاتون سے خاصے مرعوب ہوگئے تھے سو ان سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔ چنانچہ ایک روز ہم ان کے گھر گئے۔ عائشہ نے ہمیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا تو ایک خاتون نے ہمیں سلام کیا۔ ان کے بھاری بھرکم سراپے سے نکلتی باریک سی آواز نے ہمیں حیران کر دیا مگر خیر اگلا لمحہ اصل حیرت کا تھا جب ایک دبلی پتلی سی خاتون کو عائشہ نے امی جان کہہ کر ہمارا تعارف کرایا تو ہم ورطۂ حیرت میں پڑ گئے کہ ان کے دبلے پتلے سے گلے میں نجانے کیسا ساؤنڈ سسٹم فٹ ہے! ایک ہی گھر میں دو متضاد شخصیات کی متضاد آوازوں پر ہم حیران ہوتے واپس ہوئے۔

خیر ان خاتون کی اس صفت کی وجہ سے نو دس ماہ میں ہمارے تعلقات سلام دعا تک ہی محدود رہے۔ پھر اسی طرح ایک دن وہ لوگ اپنی تمام تر رونقوں کے ساتھ گھر چھوڑ گئے مگر ہم جب بھی سوچتے ہیں تو ہمیں عائشہ سے ہمدردی محسوس ہوتی ہے جس نے ہمیں بتایا کہ گھر میں ہونے والے لڑائی جھگڑے کو دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ گھر سے کہیں دور چلی جاؤں۔ اتنی دور کہ جہاں اپنے گھر والوں کی پرچھائی بھی نہ پڑے۔ جب بھی وہ یاد آتی ہے تو ہم بے اختیار ہی اپنے پیارے سلجھے ہوئے بااخلاق والدین کی نعمت پر اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عائشہ کی والدہ کو بھی ہدایت دے، آمین!

☆☆☆

# مانگنے کے لائق!

بنتِ شکیل اختر

”کیا بات ہے؟...... کیوں پریشان ہو؟“

”زندگی میں پہلی بار سیٹھ صاحب سے پیشگی تنخواہ مانگنی پڑ گئی، وہ سب کو ایسے بتا رہے ہیں جیسے حق نہیں بھیک دی ہو، کبھی زندگی میں پانچ روپے بھی نہ مانگے میں نے کسی سے، مان لیا امی کہ بس مانگنے کے لائق صرف اللہ رب العزت ہی کی ذات ہے، وہ لوگ ٹھیک ہیں جو مکاری اور دھوکے سے سیٹھ صاحب کو لوٹتے رہتے ہیں۔

ارے یہ کیا؟ آپ مسکرائے کیوں جارہی ہیں امی؟“

”سیٹھ صاحب کا رویہ ایسا نہ ہوتا تو صرف اللہ سے مانگنے کا خیال بھی تو نہ آتا تمھیں۔

بے شک ہر شر میں خیر چھپی ہوتی ہے۔ وہ دنیا کے میلے میں مختلف بہانوں سے اپنی طرف متوجہ کرتا رہتا ہے۔ چشمِ بصیرت ہو تو نظر آئے۔“

☆☆☆

جبین چیمہ

٦

# اور میں اپنے وعدے پر پورا اتروں گا!

’’کچھ اندازہ نہیں ہے امی......مگر بے شمار ہیں۔‘‘

’’چلو لیلیٰ اور فریال نکلو، جلدی کرو اسپتال جانا ہے، وہاں کئی دفعہ خون دینے یا کسی اور مدد کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔‘‘

’’ابا اور ابراہیم کدھر ہیں؟‘‘

لیلیٰ ان کے نہ آنے پر بے قرار تھی۔

’’قاسم تو خیر اُس مسجد میں تھا ہی نہیں۔ میں جا کر پتا کرتا ہوں۔‘‘ عبدالرحمن بولا۔

اور پھر شہادت کا طالب ننھا ابراہیم اپنے نانا کے ساتھ خون میں نہایا ہوا خون سے رنگے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے گھر آ گیا۔

ابا کا پورا جسم بھی گولیوں سے چھلنی تھا۔

انھوں نے سچ کہا تھا کہ نئے کپڑوں کی ضرورت شہیدوں سے زیادہ زندہ لوگوں کو ہوتی ہے۔‘‘

امی روتے ہوئے بولیں: ’’لیلیٰ! تمھیں مبارک ہو بیٹی، تم اب ایک شہید کی ماں ہو۔‘‘

مگر لیلیٰ......! وہ تو بس ٹکر ٹکر اپنے ابا اور بیٹے کے سرخ وجود کو دیکھ رہی تھی۔

’’ابا! آپ کو کیسے پتا تھا کہ آپ کی روانگی قریب ہے؟‘‘ وہ ابا کی آنکھیں بند کرتے ہوئے بڑبڑائی۔

’’میں نے تو ابھی جی بھر کے آپ کو دیکھا بھی نہیں تھا۔‘‘

’’اور تم؟......تم جاتے ہوئے مجھے کیا پیغام دے کر گئے کہ اگر کوئی اللہ میاں کے پاس چلا جائے تو صبر کرتے ہیں۔ شہیدوں کو ویسے بھی کون روتا ہے بیٹا!‘‘

اس نے بیٹے کے جسم کو چھوا اور اس کی خوب صورت آنکھوں کو بند کیا۔

اس کے عید کے نئے کپڑے خون سے تر بتر تھے۔

تبھی قاسم اندر آیا اور ان سب کو ہٹاتے ہوئے بولا۔

’’میرے ایک خاص مہمان بڑی دور سے ابا سے ملنے آئے تھے۔ اب وہ صرف ان کی زیارت کرنا چاہتے ہیں۔‘‘

قاسم کا چہرہ بظاہر پرسکون تھا مگر اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی بجائے غیض وغضب کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

وہ لوگ اندر کمرے میں آئے تو ایک دم بہت سے لوگ گھر میں آ گئے۔

کچھ ابا کے شاگرد تھے کچھ قاسم کے دوست اور اس کے مہمان بھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ کمرے میں آیا تو لیلیٰ کے سر پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوا:

’’میں قسم کھاتا ہوں میری بہن کہ میں تمھارے اور قدس کے ہر بیٹے کا بدلہ لیے بنا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ میں نے ناصر بھائی کو پیغام بھیج دیا ہے، وہ پہنچتے ہوں گے۔‘‘

’’امی......!‘‘ پھر وہ امی سے لپٹ گیا۔ ’’ابا ہمارا سائبان تھے، اب وہ نہیں رہے۔ کیا میں امید رکھوں کہ آپ مجھے ابا کا مشن جاری رکھنے کی اجازت دیں گی؟‘‘

لیلیٰ پتھرائی آنکھوں سے ابھی تک اپنی ماں اور بھائی کو دیکھ رہی تھی۔

’’میں تمھاری ہر جدوجہد میں تمھارے ساتھ ہوں۔تم میری طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔ اللہ تمھاری منزل آسان کرے۔‘‘

لیلیٰ نے دیکھا کہ اس کی ماں کا چہرہ پرسکون تھا مگر آنکھوں کا رنگ بدلا ہوا تھا۔

فریال لیلیٰ کو ساتھ لگائے بیٹھی تھی تبھی ننھی غادہ روتی ہوئی اندر آئی۔

’’امی! ابراہیم بھائی اٹھتے کیوں نہیں ان کے اوپر کیا لال لال لگا ہوا ہے، وہ میرے ساتھ بات کیوں نہیں کر رہے۔‘‘

’’غادہ! ادھر آؤ میں بتاؤں۔‘‘

محمد جو اس سے ایک سال بڑا تھا۔ اسے ہاتھ سے پکڑ کر باہر لے گیا۔

’’ابراہیم بھائی اور نانا جان دونوں شہید ہو گئے ہیں۔‘‘

’’شہید کیسے ہوتے ہیں؟‘‘

ننھی غادیہ نے محمد سے پوچھا۔

’’جب ظالم جہاز سے گولیاں مارتے ہیں تو لوگ شہید ہو جاتے ہیں یا ان کے ٹینکوں پر پتھر پھینکیں تو پھر بھی وہ گولی مار دیتے ہیں۔‘‘

’’مگر بھائی بول کیوں نہیں رہے؟‘‘

غادہ ابراہیم کے پاس جانے کی کوشش کر رہی تھی۔

’’بے وقوف اب وہ ہم سے نہیں بولیں گے، اب وہ جنت میں چلے گئے ہیں جہاں کوئی جہاز انھیں گولیاں نہیں مارے گا، کیونکہ وہاں پر کافر داخل ہی نہیں ہو سکتے اور یہ یہودی تو پکے کافر ہیں، یہ وہاں دوزخ میں جلیں گے پھر میں اور ابراہیم بھائی روز جنت سے انھیں دیکھا کریں گے۔‘‘ محمد نے اپنا ننھا سا سینہ پھلاتے ہوئے کہا۔

’’مگر تم تو یہاں ہو اور ابراہیم بھائی تو جنت میں ہوں گے۔‘‘ غادہ نے پوچھا۔

’’بے وقوف! میں بھی جلدی شہید ہو کر جنت میں چلا جاؤں گا۔‘‘

محمد فخر سے بولا۔’’اور پھر مجھے وہاں سب کچھ ملے گا۔ پھل، چاکلیٹ، بسکٹ اور بہت بڑا گھر اور بہت بڑا باغ جس میں ہر پھل ہو گا۔‘‘

تب غادہ روتی ہوئی واپس لیلیٰ کے پاس بھاگی۔

’’امی میں نے بھی شہید ہونا ہے، میں کب شہید ہوں گی؟‘‘

تب لیلیٰ کا سکتہ ٹوٹا اور وہ ننھی غادہ کو ساتھ چمٹا کے رونے لگی۔

’’ہم سب اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ ہمیں اس بڑے دن کے حساب کتاب سے بچائے گا۔ ابراہیم اور ابا ہمارا جنتوں میں استقبال کریں گے۔‘‘ لیلیٰ نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

’’مگر میں نے ابھی شہید ہونا ہے۔‘‘

ننھی غادہ مچل رہی تھی۔

’’دیکھو بات سنو۔‘‘ اس کی نانی اماں نے اسے گود میں بٹھاتے ہوئے سمجھایا۔

’’اللہ میاں نے جنت میں سب شہیدوں کے لیے خوب صورت محل تیار کیے ہیں اور فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ انھیں اور اچھی طرح سجائیں جیسے اگر غادہ جنت میں جاتی ہے تو اس کے لیے خوب صورت کھلونے، جھولے اور سہیلیاں فرشتے پہلے ہی اکٹھی کر کے بٹھا دیں گے۔ اس کی پسند کے کھانے ہر وقت تیار ہوں گے اور غادہ کا لباس جنت میں اتنا خوب صورت ہو گا کہ یہاں کے کسی انسان نے بھی نہیں دیکھا ہو گا۔‘‘ نانی امی نے بتایا۔

تب غادہ کو اردن کی ملکہ رانیہ یاد آئی۔

’’کیا ملکہ سے بھی زیادہ خوب صورت؟‘‘ اس نے بے چینی سے پوچھا۔

’’ارے کسی بھی ملکہ نے ایسا لباس کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا ہو گا مگر ابھی وہ بہت خوبصورت گھر تیار نہیں ہوا ناں۔ جہاں غادہ کو جو پسند ہو گا، وہی چیز اس کے سامنے آ جائے گی۔ مگر اس کے لیے غادہ کو اللہ کے پیغام کا انتظار کرنا ہو گا۔ اور تب تک غادہ کو قرآن پڑھنا ہے۔ اور جو امی اور ابا کہیں اس پر چلنا ہے۔ غادہ کو بہت پیاری مسلمان بچی بننا ہے۔‘‘

لیلیٰ اچانک صدمے سے بالکل ہوش کھونے والی کیفیت میں بیٹھی تھی۔ وہ کبھی رونے لگتی اور کبھی سب کے چہرے کھوجنے لگتی۔ اس کا دل عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ ابھی اس کا خاوند اندر آئے گا اور اسے کہے گا:

’’تمھیں بڑا شوق تھا نا یہاں عید منانے کا۔ منالی عید؟‘‘

رنج وغم سے نڈھال بیٹھی وہ سوچ رہی تھی کہ ابراہیم ان کی پہلی اولاد تھا۔ وہ ماں باپ کے علاوہ اپنے سارے ددھیال کی آنکھوں کا تارا تھا۔ اب وہ ددھیال والوں کا کیسے سامنا کرے گی جانے وہ اسے کیا کہیں۔ کتنے طعنے دیں۔ آئندہ سے اس کا غزہ آنا ہی بند کر دیں۔

(جاری ہے)

***

## قدر اور تعریف

شمارہ ۱۰۵۰ میں ’ایک نکتے کی بات‘ پڑھی تو چند دن پہلے ہماری اور امی جان کے درمیان ہوئی گفتگو یاد آ گئی۔

دراصل ہم دو ماہ پہلے ہی نئے مکان میں شفٹ ہوئے ہیں تو ایک بار امی جان نے ساتھ والے گھر میں سالن بھیجا۔

میں نے امی جان سے کہا کہ اب آپ کے سالن کی تعریفوں کی بارش ہونے والی ہے اور بالکل ایسا ہی ہوا۔

شام کے کھانے کے بعد ہم سب امی جان کے پاس جمع تھے اور امی جان کے ہاتھوں سے بنی ہر چیز کی تعریف کر رہے تھے۔ تبھی سب نے صبح کے ناشتے میں پراٹھوں کی فرمائش کر دی تو میرے بڑے بھائی محمد نعمان نے بے ساختہ کہا:

’’امی! آپ کے ہاتھ کا ذائقہ شاندار ہے لیکن دادی جان کے ہاتھوں میں جو جادو ہے وہ بے مثال ہے۔‘‘

اس بات پر امی جان مسکرائیں اور بولیں:

’’وہی تو میری استانی ہیں۔‘‘

میں نے سنا تو خیال آیا کہ جیسے اس چھوٹی سی تحریر ’ایک نکتے کی بات‘ کا عملی نتیجہ دیکھ رہی ہوں، کیونکہ جب امی دادی کے گھر گئی ہوں گی تو امی کے ذہن میں بھی اپنے آئیڈیاز ہوں گے، اُن کا اپنا انداز ہو گا، اپنی سوچ ہو گی۔ امی جان کا بھی دل چاہتا ہو گا کہ ان کی صلاحیتوں کی تعریف کی جائے تو اس پر دادی جان نے ان کی صلاحیتوں کی تعریف کی ہو گی۔ امی سے ہر وقت محبت کی ہو گی تو امی نے بھی ان کی محبت کی قدر کی اور ہمیشہ ان کا اعتراف کیا۔

اللہ تعالیٰ میری امی جان اور دادی جان کو سلامت رکھے۔

اقرأ ناصر۔ملتان

# بزمِ خواتین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

☆ شمارہ ۱۰۶۲ کا سرورق کسی گاؤں کا منظر پیش کرتا بہت خوب صورت لگا۔'دیوث' بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ایک زبردست تحریر تھی۔ ماشاءاللہ ہمارے خاندان میں ایسا کوئی نہیں ہے۔مولانا فیصل حیات صاحب اپنے حج کے سفر کو بہت عمدہ انداز میں قلم بند کررہے ہیں۔ ویسے اکثر ایسی کوئی نہ کوئی تحریر لگتے رہنے سے حرمین شریفین جانے کے شوق میں اضافہ ہوتا ہے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بار بار حرمین کی حاضری نصیب فرمائے۔آمین، حافظ عبدالرزاق چچا بھی کمال کی تحریر لائے۔ 'بزمِ خواتین' میں اپنا خط پاکر ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ ہم ناامید ہو چکے تھے۔جس طرح آپ نے ہمارا خط شائع کرکے ہمیں خوش کیا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو بھی دونوں جہانوں میں خوش کردے۔یوں تو سارا شمارہ ہی بہت زبردست تھا لیکن 'آئینہ گفتار' کی کمی ہم نے محسوس کی اس کی چھٹی نہ کیا کیجیے نا۔ (سارہ عبدالرحیم۔فیروزہ)

ج: بس جی کبھی وقت نہیں ہوتا، کبھی کوئی موضوع ہی نہیں سوجھتا۔

☆ شمارہ ۱۰۶۰ کا آغاز حسبِ معمول قرآن وحدیث سے کیا۔'خواتین کے دینی مسائل' سے بہت رہنمائی ملتی ہے۔اللہ رب العزت محنت قبول فرمائیں آمین! معلون قادیانیوں پر لکھا 'آئینہ گفتار' حق اور سچ کی بہترین دلیل ہے۔'مثلِ لال حسین اختر' بھی اسی موضوع پر لکھی حافظ صاحب کی نہایت ہی عمدہ کاوش ہے۔'مناجاتِ مقبول' اتنی خوب صورت دعاؤں پر دل سے آمین۔'بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل' جہاں بھکارن والے واقعے نے خوب نصیحت دلائی تو وہیں بڑی عمر کے بزرگ کے ساتھ گزرے واقعے نے ہنسا دیا۔شمارہ ۱۰۶۱ کے 'آئینہ گفتار' میں 'گھریلو تضادات' کے حوالے سے تحریر ہم پہلے بھی پڑھ چکے ہیں مگر 'تضاد' کی تھیوری اس بار سمجھ میں آئی تو ہماری ہنسی چھوٹ گئی۔ 'آئینہ گفتار' کتاب پر جناب ابوالحسن کا بہترین اور چنیدہ الفاظ لیے دلکش تبصرہ! ماشاءاللہ! 'بزمِ خواتین' میں عمارہ آپی کا تین خوب صورت ناولوں پر شاندار تبصرہ، ماشاءاللہ! وہاڑی سے آئے طویل مگر خوب صورت خط نے مزہ دیا۔اب التجا ہے کہ اہلِ خانہ کے ساتھ کیے گئے سفر کی روداد جلد ہی سفر نامہ دوم کی صورت سامنے لے آئیے۔ (اقرا افرید۔پنڈی گھیب ضلع اٹک)

ج: کئی بار ارادہ باندھا کہ شروع کریں مگر نہیں کرسکے۔بس ابتدا ہی مشکل ہوتی ہے، اس کے بعد تو چل سو چل۔ہماری ابتدا ہو جائے اس کے لیے دعا کردیجیے۔

☆ ماشاءاللہ دونوں رسالے بہت زبردست جارہے ہیں۔جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔چاچو جی! آج ہم نے صرف آپ کو شکریہ ادا کرنے کے لیے خط لکھا ہے کہ آپ نے خط میں موجود ہماری شکایت کا نوٹس لیا اور آپ کی دونوں کتابیں ہمیں پہنچ گئی ہیں۔بہت بہت شکریہ!

(حفصہ عبدالرحیم۔فیروزہ)

ج: آپ کی شکایت دور ہوگئی، آپ خوش ہوگئیں، یہ بہت کافی ہے! جیتی رہیں۔

☆ شمارہ ۱۰۶۰ کو خوشی خوشی کھولا۔القرآن الحدیث اور خواتین کے دینی مسائل سے بھرپور مستفید ہوئے اور آئینہ گفتار پڑھا۔مدیر بھائی علمی انداز میں قادیانیت کا پردہ چاک کررہے تھے۔ ڈاکٹر صاحبہ کے کلینک کو کھلا دیکھنے کے بعد انھیں سلام کیا اور آگے بڑھے۔'مثلِ لال حسین اختر' دل میں اتر گئی۔'مناجات مقبول' نے دل کے تار چھیڑ دیے۔'بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل' میں محترم صاحب اپنے حج کے سفرنامے کو بیان کرتے نظر آئے۔بندش پڑھ کر سوچ میں ڈوب گئے۔'بات سمجھے تو بات کچھ نہ تھی' بھی سبق آموز تحریر لگی، جبکہ بزمِ خواتین میں میرا خط 'بندیا' کی طرح بزمِ خواتین کے ماتھے پر سجا نظر آیا۔'پس دیوارِ زنداں' پڑھ کر اندازہ ہوا کہ محترم صاحب نے قید جیسی صعوبت میں بھی مثبت انداز ڈھونڈ نکالے ہیں۔اگرچہ آج کے شمارے میں اکثر تحریروں پر مرد حضرات نظر آئے لیکن آج کا شمارہ مکمل طور پر ایک کھلا ہوا پھول لگا۔

(آمنہ بنت نذر حسین۔اسلام آباد)

ج: بھائیوں کو کم نہ سمجھنا چاہیے۔وہ بھی اکثر گل کھلاتے رہتے ہیں!

☆ چچا جان! یہ میرا کسی بھی رسالے میں پہلا خط ہے۔چچا جان! میرے پاس دو تین مہینوں سے رسالہ نہیں آرہا ہے ورنہ تحریروں پر تبصرہ بھی ضرور لکھتی کہ اس سے لکھنے والی بہنوں کو خوشی ملتی۔بہرحال یہ رسالہ مجھے کتنا عزیز ہے قلم اس کے بیان سے عاجز ہے۔میں آج جو کچھ بھی ہوں اس رسالے کے بدولت ہوں۔بہت دعائیں اور نیک تمنائیں! (بنت حاجی نورمست خان۔کراچی)

ج: آپ نے بے شمار دعائیں لکھیں، جو اکثر حذف کرنی پڑیں مگر وہ ساری ہم تک پہنچ گئیں۔بہت شکریہ۔اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہاں میں خوش رکھے، آمین!

☆ 'ایسی اپنائیت' والی حمیرا کی طرح ہمارا واسطہ بھی کچھ ایسے لوگوں سے ہوگیا تھا جس کا دورانیہ دو ڈھائی سالوں پر محیط تھا پھر اللہ رب العزت نے اپنا خاص کرم کیا کہ خود بخود وہ تعلق ختم ہوگیا۔وہ واقعی بہت اچھا اور بہت سچا لکھا عمارہ اقبال آپ نے۔ماشاءاللہ اس دفعہ کی بزم بھی خوب سجی ہوئی تھی مگر ہماری کمی تھی جو کہ محسوس ہوئی ہمیں۔اس دفعہ پورے رسالے کی جان اور شان حافظ عبدالرزاق صاحب کی تحریر تھی۔میرے پاس الفاظ نہیں ہیں بہت شاندار۔اللہ پاک نے کیسے کیسے خوب صورت دل کے لوگ اس دنیا میں بھیجے جو ہمارے آس پاس ہی کہیں ہوتے ہیں، بس دیکھنے والی نظر چاہیے۔ مرحوم حبیب الرحمن صاحب کا یہ جملہ کہ ''ہم زکریا کی امی کو مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتے۔'' بہت دفعہ دہرایا اور ہر دفعہ ایک الگ مزہ آیا اور ہونٹوں پر تبسم بھی لایا۔مزاحیات سارے بے کار تھے۔فلزا وسیم بہت اچھا لکھتی ہیں ماشاءاللہ! ان کی بیلا گلی کے بارے میں جان کر بہت حیران ہوئی۔یا اللہ! اتنے پر خلوص لوگ۔اب آتے ہیں تحریر 'دیوث' کی طرف جو کہ عفت مظہر نے لکھی ہے اور بہت لاجواب لکھی ہے۔اس میں ایک سبق بھی ہے ''ان تمام بڑوں کے لیے'' جو اپنی رائے کو باقاعدہ اپنے بچوں پر ٹھونستے ہیں۔رشتہ کرتے وقت خدارا اپنے بچوں خصوصاً لڑکیوں سے ضرور بالضرور پوچھ لیا کریں نہیں تو ساری زندگی سسکیوں اور آہوں میں ہی گزرتی ہے ان معصوم بچیوں کی۔ (اہلیہ ہاشم۔ناظم آباد)

ج: بے شک۔بچیوں کی زندگی کا فیصلہ کرنے سے پہلے ان سے بھی ضرور پوچھ لینا چاہیے۔

☆ شمارہ ۱۰۶۰ میں آئینہ گفتار اور مثلِ لال حسین اختر پڑھ کر بہت فائدہ ہوا۔'بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے چل' کا بڑی بے چینی سے انتظار رہتا ہے۔فائزہ واجد کی بندش اور ام محمد سلمان کی بات سمجھے تو بات کچھ بھی نہ تھی دونوں بہترین کہانیاں تھیں۔ (ام محمد حنظلہ۔بھکر)

ج: بہت شکریہ بہن!

☆ جب بھی قلم اٹھایا الفاظ نے ساتھ نہیں دیا، بالآخر آج ہمت کرکے قلم اٹھا ہی لیا خواتین کا اسلام میرا محبوب رسالہ ہے۔میں بچپن سے خاموش قاریہ ہوں۔ماشاءاللہ رسالہ ہر طرح سے شاندار ہوتا ہے۔دن بدن ترقی کرتا جارہا ہے اللہ پاک نظر بد سے بچائے، آمین۔خود ہمارا ماشاءاللہ دین دار گھرانہ ہے۔میں خود عالمہ کا کورس کررہی ہوں۔پانچواں سال چل رہا ہے۔امید ہے کہ آپ میرا یہ خط ضرور شائع کریں گے۔ (ساجدہ عباسی۔ضلع سکھر)

ج: اللہ تعالیٰ آپ کو علم وعمل میں جوڑ پیدا فرمائیں، آمین۔ویسے بچپن سے خاموش قاریہ کیسے تھیں؟ بچے تو بہت شور مچاتے ہیں!

# اور مجرم پکڑا گیا!

ساجدہ بتول

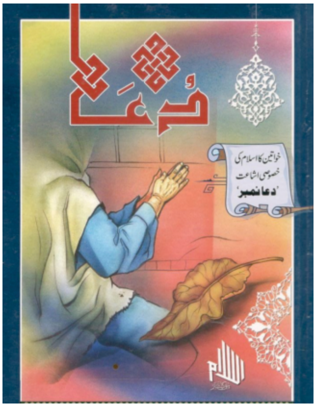

کتاب منگوانے کے لیے اس نمبر پر اپنا مکمل نام، پتا اور فون نمبر بھیجیے۔ کتاب گھر بیٹھے حاصل کیجیے۔
**0342-4198208**

ہمیں آپ سے کچھ عرض کرنا تھا۔ اس ارادے کو بھی کوئی چھ ماہ ہو چلے ہیں مگر ہم آپ سے عرض نہیں کر سکے۔ بات بھی ضروری تھی لیکن اب وہ زمانہ رہا نہیں کہ ادھر کوئی بات جی میں آتی تھی اور ادھر ہم ایک صفحے کا خط لکھ کر اشتیاق احمد بازار لوہاراں جھنگ صدر کے پتے پر پوسٹ کر دیتے تھے۔ ایک ہفتے بعد وہ خط ہمارے محسن کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ اب ڈاک کا نظام پہلے جیسا نہیں رہا۔ عام ڈاک سے بھیجا گیا لفافہ گم ہونے کا ڈر ہوتا ہے لہٰذا رجسٹرڈ ڈاک ہی مناسب لگتی ہے۔ سو اب جب ہمیں آپ سے کچھ عرض کرنا ہو، اس عرضی کے احترام میں دو تین تحاریر مزید لکھنا پڑتی ہیں۔ جب پھولا ہوا لفافہ تیار ہو جاتا ہے تو ہم اس میں اپنا خط بھی ڈال دیتے ہیں۔ کیونکہ پتلا پتنگ لفافہ ڈاک خانے والے رجسٹر نہیں کرتے۔

اب بھی ایسا ہی ہوا۔ ایک بدھ کو خواتین کا اسلام کا شمارہ گھر میں آیا تو اس کے اندر لگے دعا کتاب کے اشتہار کو دیکھ کر ہم چونک گئے۔ اپنی ایک پرانی اور سنگین غلطی پٹ سے ہماری یادداشت کی کھڑکی سے کود پڑی۔ پوری بات جاننے کے لیے ہمارے ساتھ چند برس پیچھے چلیے!

ہمیں دعا نمبر کے لیے تحریر لکھنا تھی۔ دعا کے حوالے سے بچپن کا ایک واقعہ یاد آیا تو 'ایک معصوم خواہش' کی شکل میں لکھ دیا۔ یہ واقعہ شاید دعا نمبر کے کسی ضمیمے میں شائع ہوا تھا۔ اشاعت کے بعد ہم نے اس پر نظر دوڑائی تو ایک دم اچھلے۔ ہم سے ایک غلطی ہو گئی تھی۔ ایک لفظ کو کچھ بدل کر لکھ دیا تھا اور اس سے مطلب بہت تبدیل ہو گیا تھا۔ نجانے لکھتے ہوئے ہم سے بے خیالی میں ایسا ہوا یا ہم نے اپنے ارادے سے یہ بھول کی؟ نہیں معلوم مگر ایسا ہو گیا تھا۔

اشاعت کے بعد ہمیں ایک بار خیال آیا کہ اپنی غلطی کی نشاندہی کریں، پھر یہ سوچ کر رک گئے کہ اب تو جو ہونا تھا ہو چکا۔ اس وقت ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یہ تحریر بعد میں اس سے دس گنا زیادہ شائع ہوگی۔

پھر جس وقت دعا کتاب شائع ہوئی ہم اسے فوری نہ منگوا سکے۔ پہلا ایڈیشن ہم نے نہیں لیا تھا۔ اس کے کچھ عرصے بعد ہم نے کتاب منگوائی تو دیکھا، ہماری تحریر 'ایک معصوم خواہش' اس میں شامل تھی۔ ہم نے ایک بار پھر اپنی غلطی آپ کو بتانے کا سوچا مگر یقین جانیے، تھوڑے دنوں میں ہی یہ بات ہمارے ذہن سے محو ہو گئی اور پھر کبھی یاد ہی نہ آئی کیونکہ ہم وہ کتاب کسی کو ہدیہ کر بیٹھے تھے۔

وقت گزرتا چلا گیا۔ پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ گیا۔ دعا کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو گئے مگر اپنی غلطی ہمیں بھول چکی تھی۔

اب چھے ماہ قبل جو خواتین کا اسلام میں دعا کتاب کا اشتہار دیکھا تو وہ کچھ اس طرح تھا:

''ایک ایسی کتاب جو مائیں اپنی بیٹیوں کو جہیز میں دیتی ہیں۔''

بس جی وہی لمحہ آگہی کا تھا۔ ایک دم ہمیں ہماری غلطی یاد آگئی اور ہم نے سر پکڑ لیا کہ ہمارا لکھا گیا ایک جھوٹ اتنا پھیل رہا ہے اور ہم اس کی نفی بھی نہ کر سکے!

ہم نے فوری طور پر اپنی نئی غم خوار اور پرانی قلم خوار بنت البحر سے رابطہ کیا اور انھیں ساری بات بتائی۔ ہم یہ جاننا چاہتے تھے کہ نئے ایڈیشن میں بھی یہ تحریر شامل ہے یا نہیں؟

اگر ہے تو آپ کو اپنی غلطی بتا سکیں۔ انہوں نے اپنے تعلقات سے معلوم کرنے کی کوشش کی۔ کسی سے معلوم ہوا کہ شامل ہے۔ اس تحریر کی تصاویر تو مل گئیں مگر وہ صاف نہیں تھیں۔ بنت البحر بہن نے دعا کتاب ہی مارکیٹ سے منگوالی اور ہماری تحریر کی صاف تصاویر ہمیں واٹس ایپ کر دیں۔ (اللہ رب العزت انھیں جلد از جلد مدینہ شریف میں مستقل رہائش دے دے، سب کہہ دیں آمین!

ہم نے تحریر پڑھی تو ایک بار پھر اپنا سر پکڑ لیا، کیونکہ وہ محرم کا مجرم اس میں جوں کا توں موجود تھا۔ درخواست ہے کہ دعا کتاب کا اگلا ایڈیشن شائع ہونے سے پہلے اس میں موجود ہماری تحریر 'ایک معصوم خواہش' میں موجود ایک لفظ 'وزیرستان' کو کاٹ کا 'وزیر آباد' کر دیجیے کیونکہ یہی وزیرستان ہماری غلطی سے لاہور شہر کے نواح میں آباد ہو گیا تھا۔

ج: لو بھئی کھودا پہاڑ، نکلا چوہا! ہم پڑھتے رہے، پڑھتے رہے کہ اس مجرم کی نشاندہی ہو جس نے آپ کو اتنے عرصے پریشان کر رکھا ہے اور ہم اپنی بھی خبر لیں، لیکن جب مجرم سامنے آیا تو ہم نے سر پکڑ لیا۔

بہن جی! یہ ہرگز کوئی ایسی غلطی نہیں جسے جھوٹ کہا جائے یا سمجھا جائے اور جس کے چھپنے سے اتنا پریشان ہوا جائے۔ ویسے بھی دیکھا جائے تو یہ ہماری غلطی زیادہ ہے کیوں کہ ہر تحریر ہماری ادارت کی چھلنی سے گزرتی ہے اور بھرپور ایڈٹ ہوتی ہے، اس وقت ہم سے بھی انجانے میں یہ غلطی رہ گئی، لیکن پھر بھی وزیر آباد اور وزیرستان میں اتنا فاصلہ اور فرق ہے کہ پڑھنے والا خود ہی چونک جائے گا۔ وہ سمجھ جائے گا کہ شہر کے نام میں یہ غلطی پروف کی غلطی ہے کوئی غلط بیانی نہیں۔ اس لیے مطمئن رہیں۔

ایک لفظ درست کرنا اتنا آسان نہیں۔ ہزاروں روپے کا اضافی خرچ کرنا پڑے گا۔

ویسے بھی مقام کا نام غلط ہو جانے سے تحریر کے مرکزی خیال پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہاں کوئی اخلاقی یا شرعی غلطی ہوتی تو پھر ہم بہر صورت درست کرتے۔

# ادبی ٹھگ

محمد شاہد فاروق

جب ہم نے چھوٹے منہ سے بڑی بات کرنے کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے ہم نے ”مفتیانِ ادب“ کے در پر حاضری دی اور ان سے فتویٰ طلب کیا کہ کچھ ادبی رؤساء اور پارساؤں کی ڈاڑھی میں موجود تنکوں کی نشاندہی کرنا مقصود ہے۔ کیا اس گستاخی پر بخشش کی کوئی راہ نکل سکتی ہے یا ”ادب بدر“ ہو کر نشانِ عبرت بننا پڑے گا......؟

اگر ادبی دنیا سے ہماری علیحدگی ہوتی ہے تو کیا یہ علیحدگی ”دائمی“ ہوگی یا ”رجوع“ کی کوئی گنجائش باقی رہے گی۔

کیا ادبی دنیا سے ”تجدیدِ عہدِ وفا“ کے لیے کسی آن لائن رسالے سے بطور ’حلالہ‘ شائع ہونا پڑے گا یا صرف بلیک لسٹ کے کفارے ہی سے ہمارے ماتھے کا کلنک صاف ہو جائے گا۔

ادبی دنیا سے علیحدگی کی صورت میں ہماری تحریروں کی کفالت کون کرے گا؟ نیز بلیک لسٹ سے گرے لسٹ میں آنے کے لیے نان نفقے کے طور پر کتنی تحریریں ادا کرنا پڑیں گی؟

جواباً ”مفتیان ادب“ نے ہمیں تھپکی دیتے ہوئے کہا کہ بول کہ لب آزاد ہیں تیرے!

حالانکہ انھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ جن کے لب آزاد ہوتے ہیں وہ خود آزاد نہیں رہتے۔ بہر حال این، او، سی ملتے ہی ہم نے قلم کو صفحۂ قرطاس پر تھرکنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔

قلم کی پہلی ہی چال پر ہم دل کو تھام کر رہ گئے کہ کہیں کچھ غلط نہ ہو جائے مگر یہ سوچ کر دل کو گہرا سکون ملا کہ ہمارے ادبی سفر کی کل جمع پونجی میں چند ”بے ادبیوں“ کے سوا ہے ہی کیا؟ تو سوچا کہ جہاں اتنی ”بے ادبیاں“ کر چکے وہیں ایک اور سہی!

ہم اپنی بات کا آغاز کرنے سے قبل یہ واضح کر دیں کہ ہماری یہ تحریر یا اس کے کسی حصے کی کسی تنظیم، ادارے یا شخص سے مماثلت محض اتفاقیہ نہ ہوگی، بلکہ ہم بقائم ہوش و حواس پوری ذمے داری سے ان تنکوں کی نشاندہی کر رہے ہیں جو ہمیں نظر آتے ہیں۔ اس لیے ہمارے خلاف کسی بھی قانونی کارروائی سے پہلے اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر یقین کر لیں کہ یہ تنکا آپ کی ڈاڑھی میں سے برآمد ہوا ہے!

اگر آپ نو آموز ہیں اور ادبی دنیا میں اپنا نام پیدا کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو محنت کرنا پڑے گی۔ محنت کا انداز ہم بتائیں گے اور اس پر عمل کر کے نام بنانا آپ کا کام ہے۔

اگر آپ واقعی یہ چاہتے ہیں کہ ادبی دنیا میں آپ کے نام کا ڈنکا بجے تو پھر بھیڑ چال اپنائیں اور فوراً اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائیں۔ اگر آپ مرد ہیں تو اپنے لیے نصف بہتر کی طرح نصف اینٹ کا بندوبست کریں، اس کے برعکس اگر آپ صنف نازک سے تعلق رکھتے ہیں تو آپ کی حیثیت نصف اینٹ سے زیادہ نہیں ہے، سو اپنے مقصد کے حصول کے لیے ایک پوری اینٹ تلاش کریں پھر اسے مرکز بنا کر کہانی مقابلہ، کتب مقابلہ، مقابلہ غزل وغیرہ کروائیں۔

اس سے اگلا مرحلہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ دلکش انعامات اور بڑی شخصیات کی متوقع آمد آپ کو ادبی دنیا میں ”سرو قامت“ بنا سکتی ہے۔ اس لیے دونوں پہلوؤں سے لوگوں کو سبز باغ دکھائیں۔ اس دوران میں نقدی، کتب اور کہانیاں وغیرہ جو کچھ آپ دوسروں سے ہتھیا سکتے ہیں ہتھیا لیں۔

اس کے بعد آپ یوں سمجھ لیں کہ فائنل میں پہنچ چکے ہیں اور اب آپ کے پاس غلطی کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے مقابلے کے نتائج صیغہ راز میں رکھیں۔

اب جمع شدہ کتب پر آپ کا پورا حق ہے، انھیں آن لائن فروخت کریں یا آف لائن، بس یہ بات ذہن میں رہے کہ قطرے قطرے سے دریا بنتا ہے۔ اگر آپ ناول نگار بننا چاہتے ہیں مگر اس حوالے سے آپ کے پاس کوئی عمدہ پلاٹ نہیں ہے تو یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ اس معاملے میں آپ کا ذہن بنجر ہو سکتا ہے مگر ہر کسی کا نہیں۔ مقابلہ کروائیں اور شرط رکھ دیں کہ موصول شدہ تمام مسودے آپ کی ملکیت ہوں گے۔

بڑا انعام دے کر ایک دو کو خوش کر دیں اور باقی کو مطمئن۔ اب اطمینان سے دو چار سال عمدہ ناول نگاری کریں اور دوسروں کی تحریر کا وہی حشر کریں جو بلال گنج کی کسی ورکشاپ والے چوری کی گاڑی کا کرتے ہیں۔

اگر آپ بڑے شاعر ہیں تو کسی چھوٹے شاعر کی غزل کو اپنے وسیع و عریض دیوان میں ایسے پناہ دیں جیسے کسی لاوارث خاتون کو دارالامان والے سر چھپانے کا سہارا دیتے ہیں۔

آپ اس وقت تک کامیاب پبلشر نہیں بن سکتے جب تک آپ کسی بھی مصنف کے مسودے کو مالِ غنیمت نہیں سمجھتے۔ اگر آپ واقعی کامیاب پبلشر بننا چاہتے ہیں تو ”مالِ مفت، دل بے رحم“ کا اصول اپنائیں اور یہ ثابت کریں کہ صرف محبت اور جنگ ہی میں سب کچھ جائز نہیں ہوتا بلکہ ہمارے کاروبار میں بھی سب جائز ہے۔ اول تو دس بیس کا پیاں دے کر مسودہ اپنے قبضے میں لے لیں، مصنف نے کیا ہی کیا ہے، دو تین سال میں چند کہانیاں ہی تو لکھی ہیں۔ اگر بات نہ بنے تو پھر پانچ سو بتا کر بے شک ہزار کاپی چھاپ لیں۔ یاد رکھیں کہ رقم مصنف کی جیب سے ادا ہو۔

بے شک پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں مگر یہ بھی ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ ان میں انیس بیس ہی کا فرق ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں لے پالک بچوں کی تعداد ادبی دنیا کی لے پالک تحریروں کے مقابلے میں آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ اگر شہر کے ”صرافہ بازار“ کی طرح اردو بازار میں ”سرقہ بازار“ ہوتا تو آدھی سے زیادہ کتب وہاں سے ملتیں۔

اگر آپ کے پاس اپنی ادبی ورکشاپ کھولنے کے لیے سرمایہ اور عہدہ نہیں ہے تو آپ ادبی دنیا کے ”چھوٹے“ ہی رہیں گے۔ تاہم اگر آپ سرمایہ اور دلچسپی رکھتے ہیں تو آپ دو چار ”ادبی چھوٹے“ رکھ کر اپنی ورکشاپ کو کامیاب بنا سکتے ہیں، وہ بھی اپنے نام سے۔ بے فکر ہو کر قدم بڑھائیں۔

اگر عرصے تک ہم اِس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ علم کو چوروں اور ٹھگوں سے کوئی خطرہ نہیں مگر ادبی دنیا میں قدم رکھنے پر معلوم ہوا کہ بس ”دور کے ڈھول سہانے“ ورنہ ”ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ!“

اگر عام دنیا میں ”جیب کتروں“ سے خطرہ رہتا ہے تو ادبی دنیا میں ”دماغ کترے“ بھی کم نہیں ہیں۔ جو دماغ سے بھی تحریریں اڑانے کے ماہر ہیں۔

ہائے! یہ ”ادبی ٹھگ“

☆☆☆